# سیرت نگار

سیّد عزیزالرحمٰن

# پروفیسر سیّد محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ

# حیات و خدمات

## خاندانی حالات

جعفری سادات کی ایک شاخ سلطان شہاب الدین غوری کے ساتھ نیشاپور سے ہندوستان آئی، اور ملتان میں قیام کیا، اس خاندانی کے مورثِ اعلیٰ سید عبدالرسول کو گڑگانویں میں قضاۃ کا منصب عطا ہوا، گڑگانویں کے قریب دہلی کے نواح میں ریواڑی ایک مشہور قصبہ ہے، یہ وہی قصبہ ہے جہاں خاندانِ غلاماں کا باجبروت بادشاہ بلبن جاگیردار رہ چکا تھا، نیز اکبر اعظم کا حریف ہیموبقال بھی یہیں پیدا ہوا تھا، اسی مشہور قصبے میں پروفیسر سید محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد قیام پذیر رہے۔

ریواڑی میں عہدِ اسلامی کے اوائل میں سادات کا ایک خاندان آباد تھا، جو امام جعفر صادق کے صاحبزادے علی عریضی کی نسل سے تھا، اس خاندان کو علاقے کی قضاۃ ملی ہوئی تھی، لیکن ۱۸۶۴ء قاضی ایکٹ کے تحت وہ ختم کر دی گئی، اس خاندان کے ایک فرد قاضی سید کرم علی شاہ عالم بادشاہ کی طرف سے دہلی میں وکیل سلطنت تھے، انہیں کافی جائیداد ملی تھی، جس میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہا، قاضی کرم علی کے تین فرزند تھے، ۱۔ سید اشرف علی، ۲۔ سید ولایت علی، ۳۔ سید باقر علی، سید اشرف علی عربی و فارسی کے عالم فاضل اور شاعر تھے، نہایت خوشخط تھے، انہوں نے فارسی زبان میں چند کتابیں بھی تحریر کی تھیں۔(۱)

پروفیسر صاحب کے پردادا قاضی سید اشرف علی نے خاندان میں سب سے پہلے طب کی تعلیم حاصل کی، ان کی شادی تجارہ ریاست الور میں ہوئی، اور وہ یہیں سکونت پذیر ہوئے، الور کے مہاراجہ نے آپ کی قابلیت سے متاثر ہوکر آپ کو تحصیلداری کا عہدہ پیش کیا، اسی وقت سے یہ خاندان مستقل طور پر تجارے میں آباد ہوگیا۔(۲)

قاضی سید اشرف علی کے دو فرزند تھے، ا۔ حکیم سید عبدالعزیز، ۲۔ حکیم سید عبدالحمید، ان کے انتقال کے بعد (۳) حسبِ دستور ان کے بڑے فرزند حکیم سید عبدالعزیز تحصیل دار مقرر ہوئے۔(۴) حکیم سید عبدالحمید نے بھی طب کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد تقریباً چالیس سال تک مہاراجہ الور شودان سنگھ کے ہاں شاہی طبیب کے منصب پر فائز رہے، مہاراجہ کے انتقال (۵) کے بعد واپس تجارے تشریف لے آئے، اور تقریباً ایک سال بعد ۱۹۰۱ء میں تجارے میں انتقال فرمایا۔(۶)

۱۳۰۵ھ میں حکیم سید عبدالحمید کے ہاں ان کے صاحبزادے عبدالوحید کی پیدائش ہوئی، یہی سید عبدالوحید پروفیسر سید محمد سلیم رحمۃ اللہ کے والد ماجد تھے۔(۷)

حکیم سید عبدالوحید نے ابتدائی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی، مڈل کا امتحان تجارے ہی سے امتیازی پوزیشن میں پاس کیا، جس پر مہاراجہ نے خوش ہوکر قرآنِ کریم کا انگریزی ترجمہ جو جارج سیل کا کیا ہوا تھا، مطبوعہ ۱۷۰۲ھ انعام میں دیا۔(۸) کم عمری ہی میں انہوں نے علاج شروع کردیا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں حمیدیہ دواخانہ قائم کیا، اس کی دوائیں دور دور تک جاتی تھیں، اسی دوران انہوں نے ملازمت بھی کی اور ۱۹۴۵ء میں ریٹائر ہوئے، حکیم عبدالوحید کا رجحان شروع ہی سے تصوف کی جانب تھا اور وہ ۳۰؍ سال کی عمر میں میاں واجد علی شاہ مونگیلہ سے بیعت ہوکر سلسلۂ چشتیہ قادریہ سے منسلک ہوگئے، آپ کو ۴۵ء میں خلافت سے نوازا گیا مگر آپ نے سلسلہ آگے شروع نہیں کیا، تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان آکر نواب شاہ میں سکونت پذیر ہوئے، اور ۲۷ جنوری ۶۸ء مطابق ۲۶؍ شوال ۱۳۸۷ھ بروز ہفتہ کو انتقال فرمایا۔(۹) حکیم صاحب کے چار صاحبزادے تھے، ا۔ سید عبدالرشید، ۲۔ سید عبدالمجید، ۳۔ سید محمد سلیم، ۴۔ سید عبدالرؤف، پروفیسر محمد سلیمؒ حکیم سید عبدالوحید کے تیسرے صاحبزادے تھے۔

## ولادت

پروفیسر سید محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اسکول سرٹیفکیٹ کے مطابق ۱۵ ؍ دسمبر ۱۹۲۳ء کو ہوئی، لیکن پروفیسر صاحب کی اپنی تحریر کے بقول ان کی والدہ ماجدہ کے مطابق ان کی تاریخ ولادت ۲۸ محرم الحرام ۱۳۴۱ھ ہے، جو ۲۲ ستمبر ۱۹۲۲ء کے مطابق ہے۔ (۱۰)

## نام

آپ کا نام آپ کے ماموں قاضی عماد الدین نے عبدالسلیم رکھا تھا، یہی نام تمام اسناد میں درج ہے، بعد میں آپ کو جب علم ہوا کہ سلیم اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے نہیں ہے تو اسے بدل کر محمد سلیم رکھ لیا۔ (۱۱)

## تعلیم

آپ کی تعلیم کا آغاز دستور کے مطابق قرآنِ کریم سے ہوا، اور آپ کو حافظ عبدالصمد نابینا کے پاس بٹھایا گیا، قرآن شریف (ناظرہ) ختم کرنے کے بعد اسکول میں داخل ہوئے۔ (۱۲)

غالباً ۱۹۳۱ء میں اسکول میں داخل ہوئے، ابتدائی درجے میں داخلہ ہوا، چند ماہ بعد امتحان پاس کر کے اول درجے میں آگئے، پہلی اور دوسری جماعت کا اکھٹے امتحان دیا، اور دوسرے سال میں تیسری جماعت میں داخل ہوگئے۔

تیسری جماعت میں اردو کا آغاز ہوا اور ساتویں جماعت سے فارسی شروع ہوگئی، اور ۱۹۳۸ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کرلیا۔ اس سے اگلے سال ۱۹۳۹ء میں مولوی فاضل (عربی) کا امتحان بھی پنجاب یونیورسٹی سے پاس کرلیا۔ (۱۳)

اس دوران اسکول کی تعلیم بھی جاری رہی، ۱۹۴۰ء میں میٹرک کا امتحان دیا، اور فرسٹ ڈویژن میں امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ (۱۴) ۱۹۴۲ء میں عربک کالج دہلی سے انٹر میڈیٹ کا اور ۱۹۴۴ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد آپ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۶ء میں وہاں سے ایم اے عربی کا امتحان امتیازی نمبروں کے ساتھ درجۂ اوّل میں پاس کرلیا، یونیورسٹی میں آپ کی تیسری پوزیشن تھی، اسی سال آپ نے ایل ایل بی کا مشکل امتحان بھی دیا اور وہ بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس کرلیا۔ (۱۵)

## اساتذہ

اس موقع پر مناسب ہے کہ آپ کے چند اساتذہ کا بھی تذکرہ کر دیا جائے، یوں تو آپ کے اساتذہ بہت سے ہیں، مگر چند اساتذہ کا آپ خاص اہتمام سے ذکر فرماتے تھے اور ان سے بہت متاثر تھے، ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

### ۱۔ مولانا سید امتیاز علی مرحوم

تجارہ ریاست الور کا راجہ بڑا ظالم تھا، مسلمانوں کے لئے عربی، اردو، فارسی وغیرہ کی تعلیم بالکل ممنوع تھی، اور سنسکرت و ہندی لازمی تھی، ان مظالم کے خلاف مسلمانوں نے بغاوت کر دی، نیتجتاً انگریز حکومت نے اس راجہ کو معزول کر دیا، اور مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کر لئے گئے، جس کے بعد عربی و فارسی وغیرہ کی تعلیم شروع ہوگئی، یہ ۳۴ء کا قصہ ہے، اس کے بعد اردو و فارسی کی تعلیم کے لئے تجارے میں مولانا سید امتیاز علی آئے، ان ہی سے آپ نے فارسی کی تعلیم حاصل کی، پھر زائد اوقات میں مزید کتب پڑھائیں، اور اسی دوران منشی فاضل کی تیاری کروائی، اور ان ہی کی زیر نگرانی آپ نے ۳۹ء میں مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔(۱۶)

### ۲۔ مولانا عبدالعزیز میمن

پروفیسر سید محمد سلیم رحمہ اللہ کے اساتذہ میں مولانا عبدالعزیز میمن جیسے عربی ادب کے فاضل و محقق اور معروف ترین فضلا بھی شامل ہیں، جن کا نام ہی ان کے علم و فضل کی دلیل ہے، آپ کا شمار مولانا کے خصوصی تلامذہ میں ہوتا تھا، آپ خود کہتے تھے کہ میرے اندر تحقیق کا ذوق مولانا ہی کا پیدا کردہ ہے۔(۱۷) آپ فرماتے ہیں کہ عربک کالج دہلی سے گریجویشن کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ایم، اے، ایل ایل بی کرنے کے لئے گیا، وہاں میں نے عربی زبان میں ایم اے کیا، صدر مدرس مولانا عبدالعزیز میمن تھے، جو اپنے شعبے میں شہرۂ آفاق تھے، مولانا چشمہ استعمال نہیں کرتے تھے، بجلی کا استعمال بھی ناپسند تھا، دن میں لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے، رات میں آرام کرتے تھے، بینائی سلامت تھی، دانت سلامت تھے، طویل سیر کے عادی اور صحت مند تھے، حافظے میں بڑی مہارت رکھتے تھے، ایک مرتبہ عرب ممالک میں گئے، بغداد کی جامعہ گئے وہاں اساتذہ نے امتحان لینے کے لئے دریافت کیا کہ عباسی دور کا فوجی جنرل افشین تھا، یہ بہ زیر شین ہے یا بہ

زبر شین، آپ نے جواب دیا کہ یہ حسنین کے وزن پر ہے اور ثبوت یہ دیا کہ معری نے اسے زین سے ہم قافیہ باندھا ہے، فوراً کتب خانے سے ''رسالۃ الغفران'' منگوا کر اسے ملاحظہ کیا گیا تو ان کی بات درست نکلی، مولانا کے حافظے کے واقعات بہت سے ہیں، عصر کے وقت سیر کرنے کے عادی تھے، میں ان کے ساتھ سیر پر چلا جاتا اور مختلف سوالات دریافت کرتا تھا، میں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ (۱۸)

## ۳۔ مرزا محمود بیگ

یہ علی گڑھ میں فلسفے کے استاد تھے اور کالج کے ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ بھی تھے، پروفیسر صاحب کا اپنا بیان ہے کہ طلبا پر بڑے شفیق تھے، ہر نئی کلاس میں اعلان کرتے تھے کہ میں آپ کا بڑا بھائی ہوں، جو بات آپ اپنے والد سے نہیں کر سکتے وہ مجھ سے بیان کر سکتے ہیں! وہ عزتِ نفس و خودداری کو ابھارتے تھے اور کسی نے کبھی انہیں کسی لڑکے کو ڈراتے یا دھمکاتے ہوئے نہیں دیکھا، اس کے ساتھ ساتھ حد درجہ متحمل مزاج انسان تھے۔(۱۹) پروفیسر سیّد محمد سلیم مرزا محمد بیگ سے بہت متاثر تھے، خود فرماتے ہیں۔ سب سے زیادہ جس استاد سے میں متاثر ہوا وہ مرزا محمود بیگ تھے۔(۲۰)

## ہجرت

فروری ۱۹۴۷ء میں پروفیسر سید محمد سلیم رحمہ اللہ کی شادی ہوئی، ان کا سسرال بھوپال میں تھا، ۱۹۴۷ء کے وسط میں فرقہ ورانہ فسادات زور پکڑ چکے تھے اور اقلیتی علاقوں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا تھا، ۱۵/ جولائی ۱۹۴۷ء کو آپ بھوپال گئے تو ۷/ اگست کو ان کی غیر موجودگی میں تجارے میں ان کا گھر لوٹ لیا گیا، انہیں اخبارات کے ذریعے اس کا علم ہوا، لٹا پٹا خاندان دہلی میں موجود تھا، پروفیسر صاحب بھی دہلی پہنچے، اور سب کو لے کر بھوپال آگئے، جب قیامِ پاکستان کا اعلان ہوا تو آپ تنہا بحری جہاز سے بمبئی کے راستے ۲۹/ نومبر ۱۹۴۷ء کو کراچی پہنچے، ایک ماہ بعد خاندان کے باقی افراد بھی کراچی پہنچ گئے۔(۲۱) کراچی آئے تو سب خالی ہاتھ تھے، اس لئے یہاں آنے کے بعد کئی ماہ تنگیٔ حالات کا شکار رہے، پھر نواب شاہ میں آپ کے والد حکیم عبدالوحید نے حمیدیہ دواخانہ قائم کیا جو بہت جلد مقبولِ عام ہو گیا۔(۲۲)

## ملازمت

پروفیسر سید محمد سلیمؒ ۱۳/ جنوری ۱۹۴۸ء کو تنہا نواب شاہ پہنچے اور وہاں انہیں محکمۂ ریونیو میں ڈسپیچر کی جگہ مل گئی، پھر ۲۶ جنوری کو وہ والدین اور دیگر افرادِ خانہ کو بھی وہیں لے آئے، وہ اس ملازمت سے مطمئن نہ ہوئے اور واپس کراچی آ گئے، یہاں انہیں ایس ایم کالج کے سامنے ایک اسکول میں ملازمت مل گئی، تھوڑے عرصے کے بعد ۱۹۴۸ء میں آپ کو لیکچرر شپ مل گئی اور گورنمنٹ کالج حیدر آباد میں تعینات ہوگئے، ۱۹۴۹ء میں انہیں گورنمنٹ کالج شکارپور میں مقرر کیا گیا، وہ ۵۵ء تک وہاں قیام پذیر رہے ۵۶۔۵۵ء میں آپ کا تقرر گورنمنٹ کالج میرپور خاص میں اور ۵۷۔۵۶ء میں گورنمنٹ کالج نواب شاہ میں ہوا، ۱۳۱ اگست ۱۹۵۷ء کو سیاسی وجوہ کی بناپر ملازمت سے استعفیٰ دینا پڑا، ۵۹۔۵۸ء کے دوران ایک پرائیویٹ ادارے اپر سندھ کالج جیکب آباد میں پروفیسر رہے، مگر بوجوہ یہاں سے بھی استعفیٰ دے دیا، ۱۹۶۰ء میں شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج (منصورہ) قائم کیا، اور اس کے پرنسپل رہے، لیکن ۱۹۷۳ء میں بھٹو حکومت نے جب تمام نجی تعلیمی ادارے قومی تحویل میں لینے کا ارادہ کیا تو یہ کالج بھی حکومتی تحویل میں چلا گیا، اور آپ پھر سے سرکاری ملازمت میں آگئے، اور آپ کا تبادلہ شکارپور کر دیا گیا، اور ۱۵ دسمبر ۱۹۸۳ء کو ریٹائرمینٹ تک آپ وہیں مقیم رہے۔(۲۳) پھر ۸۴ء میں آپ ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے، اور آخر تک اس حیثیت میں اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔(۶۴)

## وفات

اس ماہر تعلیم، محقق و نقاد، سیرت نگار اور مؤرخ نے ۱۲۷ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو اسلام آباد میں داعی اجل کو لبیک کہا اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی، اور اگلے روز کراچی میں پاپوش نگر کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون!

## عادات واخلاق

پروفیسر سید محمد سلیم رحمہ اللہ اخلاص وللہیت، صبر واستقامت، سادگی وانکساری، بردباری وتحمل، ایثار وجفاکشی میں اسلاف کی مثال تھے، توسنجیدگی ومتانت، اخلاص ومروت، قوتِ حافظہ اور وسعتِ مطالعہ کے لحاظ سے بھی سلفِ صالحین کا عملی نمونہ تھے، قحط الرجال کے اس دور میں آپ کا دم

بہت سی وجوہ سے غنیمت تھا، سطورِ ذیل میں آپ کی عادات واخلاق کے چند گوشوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

## لِلّٰھیت واخلاص

دیکھا جائے تو آپ کی سب سے بڑی خوبی آپ کا اخلاص وللٰہیت تھی، آپ کی ساری زندگی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک انما الاعمال بالنیات (۲۵)(اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے) کی عملی تصویر تھی، آپ نے ساری زندگی یہی اصول رکھا کہ دنیا اور اہلِ دنیا سے نہ ستائش کی تمنا کی نہ صلے کی پروا، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوقات میں برکت بھی خوب دی، آپ نے پوری زندگی میں اللہ کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم جانا اور ہر عمل کامل اخلاص سے انجام دیا، آپ نے زندگی میں بیسیوں کتابیں اور سینکڑوں مضامین ومقالات تحریر کئے، مگر کبھی بھی ان سے ادنیٰ مالی منفعت کا خیال تک پیدا نہیں ہوا، جو کتاب جس نے اشاعت کے لئے مانگی اسے دے دی، حقوق تک اپنے پاس محفوظ نہ رکھے، بلکہ مضامین وکتب کی کاپی تک محفوظ نہیں رکھی، آپ کی اکثر کتب ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوئیں، جن سے کوئی مالی منفعت حاصل نہیں کی، آپ کا واحد مقصد علومِ دینیہ کا فروغ اور رضائے الٰہی کا حصول تھا، یہ وصف آپ کی تمام کتب میں نمایاں نظر آتا ہے، اپنی معرکۃ الآرا کتاب مغربی فلسفۂ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ میں حرفِ آغاز کے تحت یہ جملے اس دل سوزی سے تحریر فرمائے ہیں کہ ہر دردمند مسلمان اپنے آپ کو ان کا ہم آواز تصور کرتا ہے، لکھتے ہیں!

> پندرہویں صدی ہجری علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی آمد آمد کی تیاریاں ہو رہی ہیں، احقر بھی یہ حقیر سی پونجی ملتِ اسلامیہ کے حضور پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، شاید یہ حقیر سی کوشش اسلام کی نہضتِ جدیدہ کے لئے معین و مددگار ثابت ہو جائے، شاید یہ حقیر سی محنت حضورِ بارگاہ خداوندی میں شرفِ قبولیت حاصل کر لے۔(۲۶)

اور ''اسلامی تعلیم بنیادی تصورات وافکار'' میں ''عرضِ مصنف'' کے تحت آخر میں ارقام فرماتے ہیں۔

> بندہ پروردگار کی کریمی سے امیدوار ہے کہ وہ اس حقیر سی کوشش کو قبول فرمائے

اور اس کو اسلامی تصورِ تعلیم کے وسیع تر تعارف کا ذریعہ بنا دے، و بیدہ التوفیق۔(۲۷)

ان سطور کے ذیل میں للھیت و اخلاص کا پرتو ہر صاحبِ ذوق بخوبی محسوس کر سکتا ہے۔(۲۸)

## حافظہ

آپ کی ایک اہم خصوصیت آپ کی بے مثال قوتِ حافظہ تھی، آپ کا پسندیدہ مضمون تو تاریخ اور خصوصاً اسلامی تعلیم کی تاریخ تھی، مگر آپ سے کسی بھی اسلامی موضوع پر گفتگو ہوتی تو آپ دلائل اور حوالوں کے انبار لگا دیتے، حوالے بھی اس وضاحت سے اور برجستہ دیتے گویا کہ تحریر شدہ سامنے موجود ہیں، آخری ایام میں یہ قوت کسی قدر ضعف کا شکار تھی، مگر اس میں بھی ہم جیسوں سے کئی گناہ زیادہ قوتِ حافظہ کا ثبوت دیتے تھے۔(۲۹)

آپ کی یہ بے مثال قوتِ حافظہ بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نہایت پاکیزہ صفت اور متدین شخص ہیں، کیونکہ امام شافعیؒ نے جب اپنے استاد وکیع رحمہ اللہ سے سوء حفظ کی شکایت کی تو انہوں نے یہی تلقین کی تھی، امام شافعیؒ کا شعر ہے ۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی فارشدنی الیٰ ترک المعاصی

واخبرنی بان العلم نور ونور اللّٰہ لا یعطیٰ لعاصی

میں نے وکیعؒ سے اپنے کمزور حافظے کی شکایت کی، تو انہوں نے مجھے گناہوں کے ترک کرنے کی نصیحت کی،

اور مجھے بتایا کہ علم تو (اللہ کا) نور ہے اور نورِ خداوندی کسی گناہ گار کو نہیں دیا جاتا۔

اسی قوتِ حافظ کے بل پر آپ نے بیسیوں کتب و مضامین تحریر کئے، اگرچہ بوقتِ ضرورت متعلقہ کتب کی طرف مراجعت کر لیتے تھے، مگر مضمون وکتاب کا خاکہ ذہن میں تیار ہو جاتا تھا اور انہیں معلوم ہوتا تھا کہ کونسی بات کس نے کہی ہے اور کہاں کہی ہے؟ ایک بار جو پڑھ لیتے وہ ذہن میں نقش ہو کر رہ جاتا تھا، آپ کے صاحبزادے جناب ڈاکٹر سید عبدالمجیب کے بقول!

حافظہ غیر معمولی تھا، کتاب ایک دفعہ پڑھتے تھے تو پھر حافظے میں ہمیشہ کے لئے

محفوظ ہو جاتی تھی، سنین کو اس طرح یاد رکھتے جس طرح آپریٹرز فون نمبروں کو۔(۳۰)

## تاریخ پر گہری نظر

اسی بے مثال قوتِ حافظہ ہی کی بنا پر تاریخ پر آپ کی گہری نظر تھی، یوں کہنا چاہئے کہ آپؒ کا خاص شعبہ تاریخ ہی تھا، مختلف مشاہیر کی تواریخِ ولادت ووفات اس طرح یاد تھیں کہ حیرت ہوتی ہے، ان کی کسی بھی کتاب کا مطالعہ کیجئے، تاریخ آپ کو کتاب کے موضوع کے ساتھ ساتھ رواں دواں محسوس ہوگی۔(۳۱)

تاریخ سے پروفیسر صاحب کی دلچسپی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی اکثر، بیشتر کتب یا تو براہ راست تاریخ پر ہیں یا ان سے متعلق ہیں، یہاں تفصیل کا موقع نہیں، مضمون کے آخر میں مفصل کتابیات دی جارہی ہے، اس سے آپ کی خدمات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

## سادگی

اس قدر علم و فضل کے ساتھ سادگی کا امتیازی وصف پروفیسر سیّد محمد سلیم رحمہ اللہ کو مزید نمایاں کرتا ہے، وہ علم و فضل کے جس بلند مقام پر تھے، اور ملک و بیرونِ ملک اطراف واکناف میں آپ کے جس کثرت سے شاگرد موجود تھے اس بنا پر کسی قسم کا اظہارِ تفاخر کچھ بعید نہیں تھا، مگر یہاں تو عالم ہی دوسرا تھا، ایک عالم آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھا، اہل علم کی ایک بہت بڑی جماعت آپ کو اپنا استاد و مربی تصور کرتی تھی، ملک و بیرونِ ملک کے مشاہیر علماو فضلا سے ذاتی روابط تھے، مگر اس مردِ آزاد کو کسی صلے کی تمنا تھی نہ ستائش کی پروا، آپ داد و تحسین سے بے نیاز اور ہر طرح کے اعزازات وانعامات سے مستغنی، اپنے کام میں مصروف اور صحیح معنی میں ''فنا فی العلم'' تھے، یہ سچ ہے کہ وہ جس انداز کی شخصیت تھے اس کے شایانِ شان انہیں مقام نہیں مل سکا، نہ ان کی خدمات کی صحیح معنی میں پذیرائی ہی ہوئی، لیکن اس چیز نے انہیں کبھی رنجیدۂ خاطر نہیں کیا، انہوں نے اس جانب کبھی توجہ ہی نہیں کی، اس لئے انہوں نے اس طرف نہ اشارتاً نہ کنایتاً اپنی گفتگو میں کبھی ذکر ہی کیا، وہ ان رسمی باتوں سے بہت بلند اور ان کی سوچ فانی اعزازات کی خواہش سے ماورا تھی، ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ جس کسی نے مطالبہ کیا اسے مضمون دے دیا، جس نے کتاب کی اشاعت کی خواہش ظاہر کی اسے کتاب تھما دی، اور مالی منفعت تو کبھی پیش نظر تھی ہی نہیں، مضمون کی کاپی تک

محفوظ نہیں رکھی، جب بھی کسی موضوع پر گفتگو ہوتی تو سننے والے کو اس قدر مواد مل جاتا کہ اس پر اچھا خاصا مضمون تحریر ہو سکتا تھا، لیکن یہ سب گفتگو خالص علمی ہوتی اور ہر قسم کے اظہارِ تفاخر و تعلیِ سے یکسر پاک۔(۳۲)

آپ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپ کو کبھی بھی کھانے پینے کی کوئی پروا نہیں رہی، آپ کی خوراک ہمیشہ سے سادہ ہوتی، شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج منصورہ میں قیام کا واقعہ ہے جب آپ وہاں پرنسپل تھے، وہاں آپ طلبا کے ساتھ یکساں طور پر موسموں کی شدت برداشت کرتے ہوئے زندگی بسر کر رہے تھے، وہاں باہر کے طلباء اور اساتذہ کے لئے ہاسٹل کے مطبخ میں کھانا تیار ہوا کرتا تھا، آپ بھی وہی کھانا کھاتے، ایک روز طلبا جلی ہوئی روٹیوں کی شکایت کرنے آپ کی رہائش گاہ پہنچے تو آپ نے وہی جلی ہوئی روٹیاں دکھائیں اور فرمایا کہ میں بھی آج یہی روٹیاں کھا رہا ہوں، نتیجہ یہ ہوا کہ طلبا خاموشی کے ساتھ واپس ہوگئے۔(۳۲الف)

## خالص متشرع زندگی

آپ کی خصوصیات علمی دنیا تک محدود نہیں تھیں، عمل کی دنیا میں بھی آپ بہت آگے تھے، آپ کا ہر قدم شریعت کے احکام کے تابع ہوتا، اور آپ کی تمام خوبیوں کا خلاصہ یہی تھا کہ ہر معاملے میں شریعت اور اسلام سے وابستگی کو اولیت دیتے تھے۔

ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد پینشن وغیرہ لینے پہنچے تو ڈائریکٹر جاننے والا تھا، اسے صاف صاف کہہ دیا کہ میرا جو حق بنتا ہے صرف وہ مجھے دے دیا جائے، میں سود نہیں لوں گا، انہوں نے سمجھایا کہ یہاں پر رقم چھوڑنے سے کیا فائدہ؟ یہاں وصول کرلیں، پھر کسی ضرورت مند کو دے دیجئے گا، فرمایا آپ کی بات تو درست ہے مگر میں سود کی رقم کو ہاتھ بھی لگانا نہیں چاہتا، خود فرماتے تھے کہ گیارہ برس کی عمر میں نماز کی پابندی شروع کی تھی اور اس کے بعد یاد نہیں پڑتا کہ سفر و حضر میں کبھی کوئی نماز قضا ہوئی ہو۔(۳۳)

جب آپ کا پراسٹیٹ (Prostate) کا آپریشن ہوا، تو آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر میں اسپتال میں بستر پر ہی مر گیا تو اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ اگر اس نے پوچھ لیا کہ تمہارے پڑوس میں افغانستان میں جہاد جاری تھا اس میں شرکت کیوں نہیں کی؟ تو کیا جواب دوں گا؟ خود فرماتے ہیں کہ میں نے وہیں نیت کرلی کہ صحت یاب ہونے کے بعد جہاد کی غرض سے افغانستان

جاؤں گا، اسپتال سے فارغ ہونے کے کچھ عرصے کے بعد ایک قافلہ لاہور سے افغانستان جا رہا تھا، آپ نے فیصلہ کیا کہ آپ بھی اس قافلے کے ساتھ افغانستان جائیں گے، سب نے بہت روکا کہ ابھی آپ کا آپریشن ہوا ہے، جانا مناسب نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ میں راستے میں مر جاؤں گا، لیکن یہ موت بھی جہاد ہی کے راستے میں ہوگی، ان کے اصرار پر قافلے والوں نے انہیں شامل کر لیا، فرماتے ہیں کہ عجیب بات یہ تھی کہ دوران سفر جب تک پاکستان میں رہے دل میں موت کا خوف تھا، مگر جیسے ہی گاڑیاں افغانستان کی سرحد کے اندر داخل ہوئیں تو دل سے موت کا خوف بالکل ختم ہو گیا، جب ہم مجاہدین کے ہیڈ کوارٹر پہنچے جو ایک پہاڑ کے اندر غار میں تھا، عشا کی نماز ادا کی گئی، وہاں گھپ اندھیرا تھا، ایک لالٹین روشن تھی، جس کی ہلکی روشنی میں ہم بجلی کی روشنی کے عادی لوگوں کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، رات کا کھانا کھایا گیا، ایک روٹی کے چار حصے کر کے معلوم نہیں کس چیز سے کھانے کو دیئے گئے جو ہم نے ایک ایک ٹکڑا شکر الحمد للہ کہہ کر کھا لیا، سونے کے لئے زمین پر ترپال بچھا ہوا تھا، میرے بڑھاپے کا خیال کر کے انہوں نے میرا بستر ایک اونچی جگہ لگایا، قریب جانے پر معلوم ہوا کہ یہ توپوں کے گولے ہیں، جن کو تہہ بہ تہہ رکھا ہوا ہے، توپوں بموں کے ڈھیر پر رات بھر امن سے سویا، غرض دوسرے روز میں نے کہا کہ بھائیو مجھے کوئی کام دو، تو انہوں نے ہلکے پھلکے کام میرے سپرد کر دیئے۔ (۳۴)

## راہنمائی

وہ علمیت کے کسی خول میں بند نہیں تھے، سب کی رہنمائی کرتے اور مکمل معلومات فراہم کرتے تھے، (۳۵) راقم نے درس نظامی سے فراغت کے بعد بزرگوں کے مشورے پر پی ایچ ڈی کا ارادہ کیا تو بذریعہ خط آپ کو اطلاع دی، آپ نے اس سلسلے میں کئی خطوط تحریر فرمائے جن میں سے بعض محفوظ ہیں ان میں جہاں دینی اور عصری درس گاہوں کا فرق بیان کیا ہے وہیں عملی زندگی میں متحرک ہونے کی ترغیب بھی دی ہے اور وسعت مطالعہ کی جانب خصوصیت سے متوجہ کیا ہے، ان خطوط میں ایک جملہ تو ایسا ہے کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے دینی مدارس اور عصری تعلیمی اداروں کے فرق کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا!

> ایک فرق ذہن میں رکھیئے، دینی مدارس میں عمق مطالعہ کو پسند کرتے ہیں اور انگریزی کالجوں میں وسعت مطالعہ کو پسند کرتے ہیں، اب آپ اپنے ذہن کا

رجحان اور اپنے مطالعے کی بنا پر ایک دو تین عنوان طے کیجئے اور پھر یونیورسٹی کے استاد سے مل کر منظور کرائیے۔(۳۶)

ایک خط میں راقم کو وسعت نظر کی جانب متوجہ کرتے ہوئے پی ایچ ڈی کے حوالے سے آمدہ مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

زندگی تجربات کا نام ہے، مختلف تجربات حاصل ہونے کے بعد ہی انسان کے اندر وسعت نظر اور ذہنی پختگی پیدا ہوتی ہے اب تک آپ نے دینی مدارس میں تعلیم حاصل کی، وہاں کا مزاج بالکل دوسرا ہوتا ہے، اب آپ جدید جامعہ میں گئے، یہاں بے نیازی اور عدم توجہی عام ہے، کسی ایک جامعہ کی خصوصیت نہیں ہے، جہاں جائیں گے یہی لیل و نہار ملیں گے، جب ان کی توجہ ہوگی تب بھی کافی دن آگے پیچھے ہونا پڑے گا یہ یہاں کی دنیا ہے۔(۳۷)

مزید تحریر کیا:

دینی مدارس کے طالب علموں کو تحریر و کتابت کی مشق نہیں ہوتی ہے اس لئے آج کے دن سے روزانہ کسی نہ کسی موضوع پر صفحہ دو صفحہ کا مضمون لکھیں، اور ہفتے بھر کے بعد اس کی خود ہی اصلاح کریں، یعنی تحریر کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں، اردو کی ادبی معیاری کتابوں کو زیر مطالعہ رکھیں۔

ایک ضرورت یہ ہے کہ اپنی تحریر کا خط بھی زیادہ بہتر اور جاذب بنایئے تاکہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف رغبت ہو، مقالے میں بہت سی خوبیاں درکار ہوتی ہیں۔

جب آپ نے ارادہ کرلیا ہے تو مستقل مزاجی کے ساتھ مشغول ہو جایئے، کم ہمتی کا اظہار نہ ہونے دیں، متلون مزاجی کا ثبوت نہ دیجئے۔(۳۸)

اور ایک خط میں اس طرح تلقین کی،

اللہ تعالیٰ آپ کے شوق مطالعہ کو برقرار رکھے، دینی مدارس کے طلبا کا مطالعہ درسیات تک محدود ہوتا ہے آپ وسیع طور پر مطالعہ کریں۔(۳۹)

اس خط کے ساتھ اپنی چند قیمتی کتب بھی ارسال کی تھیں۔

پروفیسر محمد سلیم صاحبؒ نے حوصلہ افزائی کرنے میں بھی کبھی بخل سے کام نہیں لیا، ایسے

کتنے ہی واقعات ہیں جب نئے لوگوں کی حوصلہ افزائی فرمائی اور انہیں آگے بڑھتے دیکھ کر خوشی محسوس کی، اسلاف کی یہ خصوصیت بھی جو ہم سے آج رخصت ہوتی جارہی ہے محترم نانا جان میں بدرجہ اتم موجود تھی، جس کی گواہی آپ کے قریبی ساتھی و متعلقین دیں گے، خود راقم کو ہمیشہ مطالعے کی تلقین کرتے انڈیا سے آپ کے قریبی دوست معروف مؤرخ، محقق عالم حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ کی مقبول کتاب ''مسلمانوں کے ہر طبقے اور ہر پیشے میں علم و علما'' جب ان کی وفات کے بعد شائع ہوکر آپ کے پاس پہنچی تو مجھے فون کر کے بلوایا اور خاص طور پر عنایت کی، گزشتہ سال سیرت کانفرنس اسلام آباد میں احتساب کے موضوع پر راقم کے مقالے کو سندھ سے پہلے انعام کا مستحق قرار دیا گیا تو حوصلہ افزائی کے لئے خود گھر تشریف لائے راقم نے اپنے مقالے کی ایک عکسی نقل انہیں پیش کی تو اسے اپنے پاس رکھ لیا اور فرمایا کہ میں گھر جاکر اس کا مطالعہ کروں گا، پھر اگلے روز ٹیلی فون آیا میں گھر میں نہیں تھا، تو ایک دن چھوڑ کر پھر فون کیا شاباش دی اور کہنے لگے کہ بہت محنت سے لکھا ہے، یہ سب حوصلہ افزائی کیلئے تھا ورنہ کہاں ان کا علم و فضل اور کہاں راقم آثم کا مضمونچہ۔ (۴۰)

محترم جناب محمد موسیٰ بھٹو صاحب کو ایک خط میں آپ نے یہ ہدایات تحریر فرمائیں۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ انسان ضروری اور موزوں عملی اقدامات کرے۔ جاہد وفینا، زبانی جمع خرچ تک بات ختم نہ ہو جائے۔ محض دعاؤں اور تمناؤں تک بات ختم نہ ہو جائے۔ جو آج کل ہماری قوم کے اچھے بھلے لوگوں کا وطیرہ ہو گیا ہے۔ اللہ کی تائید اور ہدایت عملی جدو جہد کے ساتھ وابستہ ہے۔ دعاؤں کے ساتھ نہیں۔

**والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔**

۲۔ انسان اپنی استعدادوں اور صلاحیتوں کی ساری پونجی راہ حق میں پیش کر دے اور مقدور بھر کوشش کرے، کوئی کسر نہ چھوڑے۔ بہت مدد آتی ہے۔ یہ مدت کبھی بڑھ جاتی ہے کبھی گھٹ جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ ۱۳ سال کی مدت تھی۔ جو مکہ میں بسر ہوئی۔ یہ آزمائش وابتلا کا دور تھا۔

اس مرحلے سے گزرنے کے لئے ثابت قدمی، صبر اور تعلق باللہ کی شدید ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''یہ اس نے اس لئے کیا ہے کہ جو کچھ اس نے تم کو دیا ہے اس میں تمہاری

آزمائش کرے۔(مائدہ،۴۸)"(۴۱)

یہاں مناسب ہوگا کہ آپ کے اس طریقۂ کار کی وضاحت بھی کردی جائے جس کو آپ مطالعے کے دوران اختیار فرماتے تھے۔اور جو آپ کے لئے بڑا مفید ثابت ہوا، کیونکہ یہ بات بھی عملی راہنمائی کے ذیل میں آتی ہے، آپ خود فرماتے ہیں کہ:

"میں مطالعے کے وقت رجسٹر ساتھ رکھ لیتا ہوں، جو کام کی بات نظر آئے وہ لکھ لیتا ہوں، کتاب کا نام بھی ساتھ ہی آجاتا ہے، جب کبھی کوئی مضمون یا مقالہ لکھنے کا موقع ملتا ہے تو انہی رجسٹروں میں درج اقتباسات نقل کر دیتا ہوں، ضرورت پڑنے پر کتاب دوبارہ مہیا نہیں ہوسکتی۔"(۴۲)

## بہترین منتظم

ان تمام خصوصیات کے ساتھ ساتھ آپ عملی طور پر بھی سرگرم و متحرک رہے، اور اپنی صلاحیتوں کا بہترین ثبوت دیا، آپ کی انتظامی صلاحیتوں کا پہلا مظاہرہ اس وقت ہوا جب آپ علی گڑھ میں بغرض تعلیم قیام پذیر تھے، یہ ۴۵-۱۹۴۴ء کی بات ہے وہاں ایک انجمن "مجلس اسلامیات" کے نام سے قائم تھی، آپ اس کے سربراہ مقرر ہوگئے، اس کے تحت ہفتے وار اجتماعات منعقد ہوتے تھے، مطالعے کے لئے کتب دی جاتی تھیں۔(۴۳)

اور اس صلاحیت کا سب سے اہم مظاہرہ اس وقت ہوا جب آپ شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے، یہ کالج ۱۵/نومبر ۱۹۵۹ء کو قائم ہوا اور آپ اس کے پہلے پرنسپل تھے، اس کالج کا آغاز سات طلبا سے ہوا تھا، اور جب اسے ۷۲ء میں قومیایا گیا اس وقت اس میں ۳۵۰ طلبا مقیم تھے اور ان کے لئے ساڑھے چار من چاول پکتے تھے، اور بہت سے غیر ملکی طلبا مثلاً مالدیپ، افغانستان اور مارشیش کے طلبا بھی یہاں تعلیم پاتے تھے۔(۴۴) آپ نے اسے اپنی محنت سے قابل قدر اداروں کی صف میں لاکھڑا کیا، آپ ہی کی محنت کے نتیجے میں وہاں دارالآثار قائم ہوا، جس میں بہت سے نوادرات آپ نے جمع کئے، اور آپ ہی کی ذاتی دلچسپی سے وہاں کی لائبریری میں ساڑھے چار سو کے قریب نادر قلمی مخطوطات جمع ہوئے۔(۴۵) یہ کالج اپنی نوعیت کی منفرد درس گاہ تھی، جہاں طلبا کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی کردار سازی اور تعمیر سیرت پر بھی توجہ دی جاتی تھی۔اور پروفیسر سید محمد سلیم رحمہ اللہ کی وسعتِ نظر، آفاقیت اور راست گوئی کی وجہ سے یہ ایک مثالی ادارہ

بن گیا تھا، مختلف ساز اور جغرافیائی اکائیوں کے مجمع کے باوجود کوئی جھگڑا یا بڑا اختلاف سننے میں نہیں آیا، آپ کی معصومانہ اور سلیم فطرت ہر اختلاف و نزاع پر قابو پالیتی اور آپ کی رائے پر ہر فرد احترام سے سر جھکا لیتا تھا۔(۴۶) اس کے علاوہ آپ بڑے عرصے تک ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان کے ڈائریکٹر بھی رہے اور آپ کی سرپرستی میں اس ادارے نے بہت اہم کتب شائع کیں، جو آپ کی محنت اور صلاحیتوں کا بین ثبوت ہیں۔

## انتھک محنت

آپ کے امتیازی اوصاف میں سے ایک وصف آپ کی انتھک محنت ہے، آپ کی پوری زندگی اس سے مزین ہے، آپ کی حیات کا غالب حصہ گھر سے باہر گزرا، جس کی وجہ سے آپ ہمیشہ آرام و سکون سے دور رہے، خصوصاً عمر کے آخری چند برسوں کے سوا عمر کے اس حصے میں بھی آپ گھر کا سکون و آرام نہیں پاسکے۔

آپ خود فرماتے تھے کہ میں نے ایم اے عربی کے دوران اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے تک مطالعہ کیا، حتیٰ کہ کثرتِ مطالعہ کے سبب میں بیمار ہوگیا، آپ کی یہی محنت تھی جس نے آپ کو ایم اے عربی میں فرسٹ ڈویژن دلائی، آپ کا یہ معمول آخری وقت تک جاری رہا، اور آپ آخری وقت تک صبح سے شام تک لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتے تھے۔(۴۷)

## قناعت و بے نفسی

آپ نہایت بے لوث بے نفس اور بے غرض شخص تھے، آپ کو کبھی بھی دنیاوی معاملات سے اس حد تک دلچسپی نہیں رہی جو آپ کے علمی مشاغل میں حارج ہوتی، آپ کا سارا معاملہ قناعت و بے نفسی کے گرد گھومتا تھا، بقول پروفیسر عبدالحسیب احسن، جب تک آپ شکارپور رہے نہ آپ کا صندوق مقفل ہوتا تھا نہ ان کے کمرے کو تالا لگتا تھا، حالانکہ ان کے صندوق میں کپڑوں کے ساتھ پیسے بھی پڑے رہتے تھے۔ ان کی ہر چیز کھلی رہتی تھی، بلکہ انہیں تو یہ بھی علم نہیں ہوتا تھا کہ ان کے صندوق میں یا ان کی جیب میں کتنے پیسے ہیں؟ آپ نے روپے پیسے سے ہمیشہ اپنے آپ کو آزاد رکھا۔ جب شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج کو قومیایا گیا اور آپ کا تبادلہ وہاں سے شکارپور کر دیا گیا تو یہاں محکمے نے ان سے ان کی سابقہ تنخواہ کے بارے میں رپورٹ طلب کی، آپ نے بڑی سادگی اور سچائی کے ساتھ وہی قلیل تنخواہ لکھ دی جو آپ مشنری جذبے کے تحت پرنسپل ہونے کے باوجود ادارے سے وصول

کر رہے تھے، حالانکہ وہ تنخواہ ایک لیکچرار کی تنخواہ سے بھی آدھی تھی۔ (۴۸)

جب ۸۴ء میں آپ لاہور منتقل ہوئے اور ادارہ تعلیمی تحقیق کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دینے لگے تو پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ تعلیم و تحقق نے آپ کو پیشکش کی کہ روزانہ ایک پیریڈ لے لیا کریں، اس کے لئے وہ معقول معاوضہ دینے پر بھی تیار تھے۔ احباب نے کافی اصرار کیا کہ یہ پیشکش قبول کرلیں، مگر آپ نے صرف یہ فرمایا کہ:

"میں نے دل کو ٹٹولا، دل تیار نہیں ہوا۔ میں یہاں نوکری کرنے نہیں آیا ہوں، میں نے ثواب کی نیت سے رضائے الٰہی کی خاطر یہ سفر اختیار کیا ہے، اپنا ثواب ختم کرنا نہیں چاہتا، نوکری تو وہاں بھی مل ہی جاتی۔ (۴۹)

آپ کی فنائیت اور بے نفسی کے بارے میں محمد موسیٰ بھٹو تحریر کرتے ہیں۔

اسلامی فکر، اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب کے مطالعے میں فنائیت کی وجہ سے ان کی طبیعت میں سادگی، درویشی، بے نیازی، بڑے پن سے دستبرداری، مقصد کے لئے زندگی وقف کرنے کا جنون اور زندگی کی لذتوں سے دستبرداری جیسی صفات بدرجہ اتم پیدا ہوگئی ہیں، میری نظر میں پروفیسر محمد سلیم صاحب پہلی شخصیت ہیں، جن کی زندگی کو کتابوں سے عشق نے پاکیزہ نصب العین کی زندگی میں تبدیل کیا ہے۔ ممکن ہے اس میں ان کی خاندانی تربیت اور فطرت سلیمہ کو بھی عمل دخل حاصل ہو۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جوں جوں علم، مطالعہ، تجربہ اور مشاہدہ بڑھتا ہے، فرد میں اپنی شخصیت کا زعم پیدا ہونے لگتا ہے۔ اس کی عزت و تکریم میں کمی ہو تو وہ شدید احساسات کا شکار ہو جاتا ہے نیز وہ معاشرے کے لئے مسائل پیدا کرتا رہتا ہے اور اپنے داخلی تضادات اور نفسی قوتوں کے غلبے کی وجہ سے ایسا فکر دیتا ہے، جس سے معاشرے میں تفرقہ اور تفریق پیدا ہونے لگتی ہے۔ لیکن پروفیسر محمد سلیم صاحب کی شخصیت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف پر اللہ کا یہ بڑا فیضان ہے کہ وسیع مطالعے اور غیر معمولی ذہانت کے باوجود ان کے اندر اپنے عجز اور چھوٹے پن کا احساس موجود ہے، انہوں نے کبھی بھی نمایاں ہونے اور ساتھیوں کے حلقے اور معاشرے میں حیثیت ملنے کی آرزو اور کوشش نہیں کی۔ جس ادارے میں کام کیا، وہاں کی

انتظامیہ کے لئے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ان کے لئے خیر و برکت کا باعث بنے۔ پروفیسر محمد سلیم صاحب کی اس طرح کی ادائیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ معاشرے میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں۔(۵۰)

## وسعتِ مطالعہ

آپ کے نمایاں اوصاف میں وسعتِ مطالعہ اور شوقِ مطالعہ سرِ فہرست ہے، آپ نے ایک بار اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

میں نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ درمیان میں میں خود ہوں اور میرے چاروں طرف کتابیں ہیں، اور میں انہیں ذوق و شوق کے ساتھ پڑھ رہا ہوں، وہی اثر آج تک میری طبیعت پر ہے۔(۵۱)

حقیقت یہ ہے کہ اس خواب کو آپ نے مسلسل مطالعہ اور پیہم تعلیمی و علمی انہاک کے ذریعے سچی و عملی تعبیر میں تبدیل کر ڈالا، آپ کا پسندیدہ مشغلہ مطالعہ اور آپ کا پسندیدہ موضوع کتابیں تھیں، خواہ کسی موضوع پر ہوں اور کسی کی ہی تحریر کردہ ہوں، آپ جس کتاب کا مطالعہ شروع کرتے اسے اول سے آخر تک پڑھ ڈالتے، آپ کو اردو، عربی اور فارسی کے علاوہ انگریزی زبان پر عبور حاصل تھا، اس بنا پر آپ کے مطالعے کا افق اور وسیع ہوگیا تھا، جس نے آپ کی تالیفات میں بھی وسعت پیدا کردی، اور آپ کے ہاں مواد کی جو کثرت نظر آتی ہے اس کا سبب بھی یہی تھا، اور اسی بنا پر آپ کی کتب میں جہاں اردو اور عربی کے حوالے نظر آتے ہیں وہیں فارسی و انگریزی کتابیات کی بھی ایک طویل فہرست دکھائی دیتی ہے۔

## دوام فی العمل

آپ کی کامیابی کا ایک راز یہ تھا کہ آپ کے عمل میں دوام اور معمولات میں پختگی پائی جاتی تھی، آپ لگے بندھے معمولات کی پوری پابندی فرماتے تھے، نتیجتاً آپ کے کھانے پینے، آرام و عبادت اور لکھنے پڑھنے کے اوقات متعین تھے، آپ اپنے وقت کو پورے طے شدہ نظام الاوقات کے ساتھ صرف کرتے تھے، جس کے سبب آپ کے اوقات میں اللہ تعالیٰ نے برکت بھی رکھی تھی، اور اسی بنا پر آپ سے اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا کام لیا اور آپ نے اتنا عظیم تحریری سرمایہ چھوڑا ہے۔

## وسعتِ نظر

آپ اپنے واضح نظریات رکھنے کے باوجود نہایت وسعتِ نظر کے حامل تھے، اور ہر طرح کے طبقات ہائے فکر سے یکساں تعلقات تھے، اور ہر اہلِ علم کی ان کے دل میں بڑی قدر تھی، اگر اختلاف کی نوبت آتی تو اختلاف کرتے مگر دلیل کے ساتھ اور مکمل احترام ملحوظ رکھتے ہوئے، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مد ظلہم، حکیم محمود احمد برکاتی، مولانا غلام رسول مہر، ڈاکٹر سید عبداللہ وغیرہ یہ وہ اصحاب ہیں جن سے آپ کے براہ راست تعلقات اور خط وکتابت رہی، اور اس سلسلے کے کثیر تعداد میں خطوط دستیاب بھی ہوئے ہیں اور الحمد للہ محفوظ ہیں، آپ ان سب کی علمیت سے متاثر تھے اور سب کا تذکرہ اچھے الفاظ میں فرماتے تھے۔

## انکساری

پروفیسر سید محمد سلیم رحمہ اللہ جہاں علم و تقویٰ میں اسلاف کا عملی نمونہ تھے، وہیں سادگی ملنساری وانکساری و خاکساری میں بھی اسلاف کی سچی تصویر تھے، جس طرح پھل دار درخت کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ جھک جاتا ہے، اسی طرح علم کی بھی شان یہی ہے کہ وہ انکساری پیدا کرتا ہے اور خوشہ چینی کرنے والوں کی سہولت کے لئے وہ اپنی شاخیں جھکا لیتا ہے۔ آپ کے معاملے میں بھی یہی صورت نظر آتی ہے، اس قدر علم و فضل اور وسیع مطالعے کے ساتھ جس نے آپ کو اپنے موقف پر اعتماد، اپنے علم و معلومات پر بھروسہ اور اپنے خیالات پر مکمل شرح صدر عطا کر دیا تھا، آپ نے اپنے کسی قول و فعل سے کبھی ایسے عمل یا ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا جس سے اظہار تفاخر ہوتا ہو، ہمیشہ اس قدر انکساری سے کام لیتے کہ آپ کی خوشہ چینی کرنے والے بھی اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتے، آپ صحیح معنی میں فنا فی العلم اور سچے عالم تھے، جن کا علم خشیتِ الٰہی میں اضافے کا موجب بنتا ہے، اور جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (۵۲)

بلا شبہ اللہ سے، اس کے بندوں میں سے علما ہی ڈرتے ہیں۔

## اسلوبِ تحریر

آگے بڑھنے اور آپ کی خدمات کا تذکرہ کرنے سے قبل مناسب ہے کہ آپ کے اسلوبِ

تحریر کے حوالے سے بھی چند پہلو پیش کریں، ویسے بھی اسلوبِ تحریر عادات ہی کا حصہ تصور کیا جاتا ہے، اور انسان کی خصوصیات میں سے ہے۔ آپ کی اسلوبی و تحریری خصوصیات کو چند عنوانات کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ سادہ و عام فہم اسلوب، ۲۔اختصار کے ساتھ جامعیت، ۳۔انداز غیر معذرت خواہانہ، اور دو ٹوک، ۴۔بے لاگ، طرز تحریر، ۵۔اشعار کا بر محل استعمال۔

اب ان عنوانات پر مختصراً روشنی ڈالی جاتی۔ ہے۔

## سادہ و عام فہم اسلوب

آپ کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ بالکل سادہ، عام فہم اور لفاظی سے یکسر پاک ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی طبعی سادگی اپ کے اسلوب پر بھی اثر انداز ہوئی اور اس سے آپ کی تحریر زیادہ عام فہم ہو گئی اور اس کے ابلاغ کا دائرہ کار مزید بڑھ گیا، انسان کے لئے تعلیم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں!

> تعلیم اسلام کے نزدیک انسان کے لئے اس قدر ضروری ہے جس قدر خورد و نوش، خوراک کے ذریعے انسان زندگی بر قرار رکھتا ہے، تعلیم کے ذریعے انسان حیوانیت کی سطح سے بلند ہو کر انسان کے درجے پر پہنچ جاتا ہے، تعلیم انسان کو بتاتی ہے کہ وہ نرا حیوان نہیں ہے، بلکہ اشرف المخلوقات ہے، خلیفۃ اللہ فی الارض ہے، انسان کا کام صرف مادی اور حیوانی دریا میں شناوری کرنا نہیں ہے، بلکہ انسان کا اول کام اخلاقی اور روحانی فضاؤں میں پرواز کرنا ہے۔(۵۳)

ایک مقام پر مسجد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

> اول روز سے تعلیم و تدریس سے اسلام کا رابطہ ہے، مکہ کے ناسازگار ماحول میں دارِ ارقم میں اسلام کا اولین مدرسہ قائم ہوا، یہ مخفی مدرسہ تھا، جب مدینہ میں آزاد فضا میسر آئی اور اللہ کی عبادت کا پہلا گھر مسجدِ نبوی ﷺ تعمیر ہوا، تو ساتھ ہی تعلیم کا پہلا مرکز صفہ بھی تعمیر ہوا، اس طرح تعلیم کا اور مسجد کا تلازمہ ہو گیا، پھر جہاں جہاں دنیا میں مسلمان گئے وہاں مساجد تعمیر کیں اور ان کے ساتھ مدارس بھی کھل گئے، نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم ہے، اس لئے مسلمان گلی گلی

محلہ محلہ مساجد تعمیر کرتے تھے۔(۵۴)

## ۲۔ اختصار کے ساتھ جامعیت

آپ کے اسلوب کی دوسری خوبی یہ ہے کہ جملے مختصر ہوتے ہیں، اور یہ مختصر جملے ایک دوسرے سے مل کر مربوط عبارت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، لیکن اس اختصار کے ساتھ جامعیت اس قدر ہوتی ہے کہ چند جملوں میں پورے پورے مضامین سمو دیتے ہیں، گویا کہ دریا کو کوزے میں بند کر دینے کی مثال صادق آتی ہے، اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ عام طور پر آپ کے ایک مضمون میں اس قدر مواد ہوتا ہے کہ اسے پھیلا کر کتابی شکل دی جاسکتی ہے، چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

اسلامی تہذیب کی بابت تحریر فرماتے ہیں!

> اسلامی تہذیب یک تخمی بہار ہے، یہ دوسروں سے مستعار کوئی تالیفی مجموعہ نہیں ہے، اسلامی تہذیب کی اساس دینِ اسلام ہے، یہ کسی انسانی ذہن کا ساختہ دین نہیں ہے، اس کی اساس وحی الٰہی پر ہے، یہ دین اور یہ تہذیب دراصل وحی الٰہی اور ہدایت الٰہی کے پیدا کردہ اور پروردہ ہیں۔(۵۵)

عقل کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ہندوستان میں صدیوں تک شوہر کی موت کے بعد بیوی کو زندہ رہنے کے حق سے محروم کیا جاتا رہا، شوہر کی لاش کے ساتھ اس کو زندہ جلایا جاتا رہا، طبقۂ اچھوت کو انسانیت کے مرتبے سے محروم رکھا جاتا رہا، یونان میں ارسطو جیسا فلسفی عورتوں اور غلاموں کو انسان سے فروتر درجہ دیتا ہے، بدھ مت کے زیر اثر ہندوستان میں اور کیتھولک مذہب کے زیر اثر یورپ میں، ازدواجی تعلقات کو گندگی قرار دیا گیا، جس سے اجتناب ضروری تھا، یہ فیصلے صدیوں نافذ رہے، کسی خرد مند نے ان کے خلاف زبان نہیں ہلائی، حالانکہ آج بالاتفاق مشرق و مغرب کے حکما اور دانشوران افعال کو غلط اور معاشرت کے لئے مہلک قرار دیتے ہیں، گویا عقل نے صدیوں ٹھوکر کھائی۔(۵۶)

## ۳۔ دوٹوک اور غیر معذرت خواہانہ انداز

مسلمانوں کی زبوں حالی کے اسباب تلاش کرتے ہوئے مفکرین و دانشوروں نے سخت

ٹھوکریں کھائی ہیں، بعض نے اگران کے تمام مزعومات کو اسلامیؑ الاصل قرار دے کران کے اثبات کے لئے قرآن و حدیث کو مشقِ تاویل کا نشانہ بناڈالا تو بعض نے یہ کوشش کی کہ اسلام پر عائد الزمات کا جواب دینے کے لئے بعض مسلمات کا ہی انکار کر دیا، یا تاریخی واقعات و حقائق کی دور آز کار تاویلات کرنے پر مجبور ہوگئے، اس ساری مشق کا واحد سبب یہ تھا کہ وہ مغرب کے عقلا کے سامنے ذہنی مرعوبیت کا شکار تھے اور ان کی رائے کو حرفِ آخر تصور کر کے اس پر صاد کہتے تھے، ایسے میں کچھ مفکرین و فضلا ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلامی تعلیمات کے مقابلے میں کوئی دوسری رائے اختیار نہیں کی، اور کسی مرعوبیت کا شکار ہوئے بغیر اپنا مافی الضمیر پیش کیا، پروفیسر سید محمد سلیمؒ کے ہاں بھی یہی اسلوب نظر آتا ہے، ان کا انداز قطعاً غیر معذرت خواہانہ ہے، مثال کے طور پر مغربی مفکرین کی ایک غلطی کی جانب تنبیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں!

> مغربی معاشرے کے معمار حکما اور فلاسفہ نے بھی انسان کی حقیقت کے متعلق غلط نظریات قائم کر کے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں، وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انسانی معاشروں کو بھی گمراہی کے غاروں میں دھکیل دیا، جس کے نتائج بد سے آج مغربی معاشرہ بری طرح پریشان ہے، جس سے آج ہر چشم بینا واقف ہے۔(۵۷)

مزید لکھتے ہیں!

> جب مغربی مفکرین کے نزدیک انسان شرارت کا پتلا ٹھہرا تو انسانی معاشرہ بھی لامحالہ شرارت سے پر ہوگا، شرافت اور انسانیت وہاں کیسے پروان چڑھ سکتی ہے؟ مسئلہٗ ارتقا کے زیر اثر انسان کو نرا حیوان قرار دے کر اہلِ مغرب نے انسانیت پر بہت بڑا ظلم ڈھایا ہے، مغربی نظامِ حیات کو اس تصور نے بری طرح مجروح کیا ہے، یہ فسادِ فکر و نظر مغربی معاشرے کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے، اس کے زہر سے مغربی تہذیب کی روح اندر ہی اندر گھلتی چلی جارہی ہے۔ ظاہری خیرہ کن چمک کے باوجود یہ تہذیب روبہ زوال ہے۔(۵۸)

## ۴۔ بے لاگ طرزِ تحریر

اس کے ساتھ ساتھ انداز تحریر بے لاگ بھی تھا، جس بات پر آپ کو یقین ہوتا اور جسے

درست سمجھتے اسے کہنے پر باک نہ ہوتا تھا، نہ کسی مصلحت سے کام لیتے تھے، آپ علی گڑھ کے فیض یافتہ تھے، آپ نے اعلیٰ تعلیم وہیں سے حاصل کی، مگر جب "تاریخ نظریۂ پاکستان" مرتب کرنے کی ذمے داری سنبھالی تو بڑے سادہ لفظوں میں یہ حقیقت تحریر کردی:

> ہندوستان کے مسلمان معاشرے میں مغربیت کا سیلاب علی گڑھ کالج قائم ہو جانے کے بعد آیا ہے، اس لئے بجا طور پر اس کو ہی ذمے دار ٹھہرایا جاتا ہے۔(۵۹)

مزید لکھتے ہیں!

> علی گڑھ کالج اور اسی قبیل کے دوسرے اسلامیہ کالجوں میں پڑھ کر مسلمانوں کی ایسی نسل تیار ہوئی جو اپنے اسلاف سے فکر و عمل میں یکسر مختلف ہے، انہوں نے انگریزی حکومت کے تیار کردہ سانچے (Frame Work) میں تربیت پائی ہے۔(۶۰)

لیکن سر سید کے اچھے کارناموں کی بھی دوٹوک حمایت کی، سر سید نے مسلمانوں کی کانگریس میں شرکت کی مخالفت کی تھی، آپ اس کی تفصیل تحریر کرنے کے بعد ذکر کرتے ہیں!

> سر سید کی مخالفت کرنے سے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ مسلمان ہندو لیڈروں کے زیر قیادت آنے سے بچ گئے، ہندو قوم میں ضم ہونے سے بچ گئے، مسلمانوں کی انفرادیت بہر کیف برقرار رہی، ان کا انفرادیِ تشخص محفوظ رہا، اور یہ کوئی کم فائدہ نہیں ہے۔(۶۱)

## ۵۔ اشعار کا بر محل استعمال

آپ کے اسلوبِ تحریر کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی تحریر میں بر محل اشعار کا استعمال بہت عمدہ طریقے سے ملتا ہے، اس سے آپ کے وسیع ادبی مطالعے اور بلند ادبی ذوق کا بھی اظہار ہوتا ہے، بعض مقامات پر تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ اشعار گویا کہ کہے ہی اس موقع کے لئے گئے ہیں، یہ پیرا ملاحظہ کیجئے، کس خوبی سے بر محل شعر استعمال ہوا ہے۔

> جدید دور میں بت پرستی اگر ختم نہیں ہوگئی تو بے اثر ضرور ہو گئی ہے، شرک اور بت پرستی کی جگہ اب کفر و الحاد نے لے لی ہے۔ آج جمہوریت کا دور دورہ ہے،

جمہوریت اور علوم کی حکمرانی کے پس پردہ ایک مخصوص گروہ حکمران بن جاتا ہے۔

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری(۶۲)

ایک اور عبارت میں شعر کا موزوں استعمال دیکھئے!

ماورائے طبعیات ایک اور عالم بھی ہے، جس کو مذہب کی زبان میں عالمِ غیب کہتے ہیں، انسانی ڈرامے کا وسطی حصہ ہماری نظروں کے سامنے آتا ہے، آغاز اور انجام ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے۔

سنی حکایت تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم(۶۳)

اور اس پیرے میں مناسبتِ شعر ملاحظہ کیجئے!

انسانی ذہن کی وسعتیں لامحدود ہیں، اس لئے وہ بہر دم، بہر طور اور بہر رنگ ایک نئی دنیا تعمیر کرنے میں منہمک رہتا ہے، انسان ہرگز زمانے کا محکوم نہیں ہے، بلکہ وہ زمانے کا حاکم ہے۔

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر(۶۴)

## خدمات

آپ کی خدمات کا دائرہ متنوع بھی ہے اور وسیع بھی، اس میں کئی ایک پہلو زیادہ نمایاں ہیں، ذیل میں ان چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، ۱۔ سیاسی تحریکوں میں شرکت، ۲۔ تدریسی خدمات، ۳۔ تصنیف و تالیف، ۴۔ مضامین، ۵۔ تقاریر و لیکچرز، ۶۔ خدماتِ سیرت۔

## سیاسی تحریکوں میں شرکت

زمانہ طالب علمی سے اہم قومی و سیاسی تحریکوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ۲۳/ مارچ ۱۹۴۰ء آنے تک علیحدہ وطن کا تصور مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بن چکا تھا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی

قرار داد لاہور تو اس علیحدہ وطن، پاکستان، کے حصول کے عزم کا محض اعلان تھا۔ قرار داد پاکستان کو حقیقت بنانے کے لئے قائد اعظمؒ کے حکم سے مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام سے مسلمان طلبہ میدان عمل میں اتر چکے تھے۔ پروفیسر سید محمد سلیم ابتدا ہی سے مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن دہلی کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ انہوں نے ۱۹۴۱ء میں مسلم لیگ کونسل کی اس میٹنگ میں شرکت کی جس میں یمن پر برطانوی حملے کی مذمت کی قرار داد پاس ہوئی تھی۔ پروفیسر سید محمد سلیم نے ۱۹۴۲ء میں امداد حسین اور بلگرامی کے ساتھ مل کر کام کیا۔ یہ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے قائدین تھے۔ جب ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس عرب کالج دہلی کے ہال میں منعقد ہوا تو اس وقت وہ اسی کالج میں بی۔اے کے طالب علم تھے۔ ۲۵ اکتوبر سے لے کر ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء تک مسلمان علما کا ایک چار روزہ اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں جمعیت علما ہند کے مقابلے میں جمعیت علما پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا عبدالرؤف داناپوری، پیر صاحب آستولی اور دوسرے علما اس اجلاس میں شریک تھے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کا ایک وفد اس میں شریک ہوا جس میں ڈاکٹر افضال حسین قادری، امیر الدین ایڈووکیٹ بارہ بنکوی، مولانا عبدالقیوم، نیز مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور پروفیسر سید محمد سلیم شریک تھے۔ اس زمانے میں پروفیسر صاحب علی گڑھ یونیورسٹی میں مجلس اسلامیات کے صدر تھے اور وہ اپنی اس حیثیت میں طلبہ کی نمائندگی کر رہے تھے۔ پروفیسر صاحب کے تعلقات ڈاکٹر سید عبدالجبار خیری سے بھی قائم ہو چکے تھے۔ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور ان کی علمی شخصیت سے استفادہ کرتے رہے۔ یاد رہے کہ ڈاکٹر سید عبدالجبار خیری وہ عظیم عالم تھے جنہوں نے سب سے پہلے کوپن ہیگن کی ایک کانفرنس میں تقسیم ہند کا نظریہ پیش کیا تھا۔ یہ مطالبہ ہندو مسلم دو قومی نظریہ کی بنیاد پر تھا۔

مارچ ۱۹۴۶ء میں وہ مشہور زمانہ الیکشن ہندوستان میں ہوا جس کی وجہ سے ہندوستان دو حصوں، پاکستان اور بھارت، میں تقسیم ہوا۔ مسلم لیگ نے اپنی پوری قوت اس اہم انتخاب میں لگادی۔ قائد اعظم نے منظر عالم گوالیاری کو علی گڑھ یونیورسٹی بھیجا تاکہ وہ طلبہ کو قومی جدوجہد میں اپنا کردار ادا کرنے پر آمادہ کرے، قائد اعظم کے حکم پر یونیورسٹی کے ہزاروں طلبہ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیل گئے، چار چار پانچ پانچ طلبہ کی ٹیمیں بنا کر شہر شہر، قریہ قریہ بھیجا گیا۔ اندازہ ہے کہ تقریباً ۱۴ ہزار طلبہ نے اس قومی مہم میں حصہ لیا۔ پروفیسر سید محمد سلیم ایک وفد لے کر رہتک پہنچے جہاں سے مسلم لیگ کی طرف سے راؤ خورشید علی خان الیکشن لڑ رہے تھے۔ پروفیسر صاحب

اپنے ساتھیوں کو لے کر گاؤں گاؤں پہنچے اور مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ اسی زمانے میں انہیں اس تلخ حقیقت کا پتہ چلا کہ جاٹوں کے علاقے میں مسلمانوں کو نہ تو مسجد بنانے کی اجازت تھی اور نہ ہی انہیں اذن دینے کی اجازت تھی۔ یہ الیکشن راؤ خورشید علی خان جیت گئے۔ پروفیسر سید محمد سلیم مسلم لیگ کے اس کنونشن میں بھی علی گڑھ یونیورسٹی سے آکر شریک ہوئے تھے۔ جو ۷ اپریل ۱۹۴۶ء کو عربک کالج دہلی کے چمن میں منعقد ہوا تھا، اور جس میں مسلم لیگیوں نے سرکاری خطابات واپس کئے تھے اور پاکستان حاصل کرنے کا عزم راسخ کیا تھا۔ مسلم لیگ کے ساتھ ان کا یہ ذہنی اور عملی تعلق قیام پاکستان تک برقرار رہا۔(٦٥)

آپ ۱۹۴۰ء میں جماعتِ اسلامی سے متاثر ہو چکے تھے جس کا سبب ترجمان القرآن کا مطالعہ بنا۔(٦٦) اس کے بعد قیام پاکستان ہوا۔ یہاں آپ جماعتِ اسلامی سے باقاعدہ منسلک ہوگئے، پھر تنظیم اساتذہ پاکستان کے صدر، سندھ کے صدر، اور سندھ کے نائب صدر کے عہدوں پر فائز رہے، مگر اب ایک طویل عرصے سے عملی سرگرمیوں سے لاتعلق اور صرف لکھنے پڑھنے تک محدود تھے، اور عمر کا آخری حصہ آپ نے صرف لکھنے پڑھنے خصوصاً اسلامی نظامِ تعلیم کی صورت گری میں صرف کیا، آپ نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اس مقصد کے لئے وقف کر دیا تھا۔(٦٧)

## تدریسی خدمات

آپ بنیادی طور پر ایک استاد تھے، اور آپ نے اس حیثیت کو ہر صورت میں برقرار رکھا، آپ کی باضابطہ تدریس کی مدت ۳۵ر سال بنتی ہے، لیکن آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے، اور ہر دور میں بلکہ آخری لمحوں تک یہ استفادہ جاری رہا، آپ کے تدریسی دور کا تذکرہ ملازمت کے احوال میں درج ہو چکا ہے۔

## تصنیف و تالیف

آپ کا خاص میدان تصنیف و تالیف ہی تھا، یا یوں کہہ لیں کہ آپ کے اصل جوہر اسی میدان میں کھلے، آپ بنیادی طور پر مؤرخ تھے، لیکن ایک استاد کی حیثیت سے اور اسلام کے ساتھ غیر متزلزل وابستگی کے سبب آپ کی دلچسپیاں اسلامی تعلیم کے ساتھ رہیں، مگر آپ کا قلم مختلف جہتوں میں سرگرم رہا، آپ کی تحریری خدمات کو موضوعات کے اعتبار سے ان عنوانات کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ قرآنیات، ۲۔ سیرت، ۳۔ تاریخ، ۴۔ تعلیم، ۵۔ خط و املا، ۶۔ تنقید بر افکارِ مغرب، ۷۔ زبان وادب، ۸۔ شاعری،

یہاں زیادہ تفصیل کا تو موقع نہیں، آخرِ مضمون مین مفصل کتابیات دی جارہی ہے، جو ان تمام موضوعات پر مشتمل ہے، اور سیرت پر خدمات کا جائزہ سطورِ ذیل میں الگ عنوان کے تحت آئے گا، ان شااللہ، صرف شاعری کے حوالے سے چند باتیں پیش کرنا ضروری ہیں۔

## شاعری

آپ کی تصنیفی و تالیفی حیثیت اس قدر مسلم ہے کہ اس پہلو کے تحت آپ کی دیگر خدمات نمایاں نہیں رہیں، لیکن آپ کی شاعری اس کا حصہ ہونے کے باوجود قارئین کے سامنے نہیں آسکی، اور عوام تو عوام خواص بھی اس سے لاعلم نظر آتے ہیں، اس وقت راقم کے سامنے آپ کا کلام موجود نہیں ہے، ورنہ اس کے نمونے پیش کئے جاتے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ نے شاعری کی ہے، جس کا کچھ حصہ اب تک محفوظ بھی ہے، نواب شاہ میں قیام کے دوران بہت سے ادبی ذوق رکھنے والے افراد جمع ہوگئے تھے، جن کی موجودی میں ادبی اجتماعات ہوتے، اس میں آپ بھی شرکت فرمایا کرتے تھے، اور آخر میں اس مجلس میں پیش کئے جانے والے تازہ کلام، افسانوں اور مقالات کا آپ تنقیدی جائزہ لیتے تھے۔(۶۸)

## مضامین

کتب کے علاوہ آپ نے بے شمار مضامین تحریر کئے، جن کے موضوعات تقریباً وہی ہیں جو کتب کے سلسلے میں بیان ہوچکے ہیں، ان کی حتمی تعداد کے بارے میں فی الوقت کچھ نہیں کہا جاسکتا، البتہ ان کی تعداد کئی سو ہے، جن میں سے ایک بڑی تعداد ایسے مضامین کی ہے جو اب تک شائع نہیں ہوئے، آپ کے مضامین، ترجمان القرآن، افکارِ معلم، زندگی، جسارت، تکبیر، ایشیا وغیرہ میں شائع ہوتے رہے ہیں، اور کچھ مضامین ماہنامہ تعمیر افکار میں بھی شائع ہوئے ہیں، لیکن سب سے زیادہ آپ نے افکارِ معلم کے لئے لکھا ہے۔ اور مارچ ۸۹ء سے دسمبر ۹۶ء تک آپ کے افکارِ معلم میں ۷۶ مضامین شائع ہوئے۔(۶۹)

اس کے علاوہ آپ کی اپنی تحریر میں بھی آپ کے طبع شدہ مضامین کی فہرستیں ملی ہیں، جن کے مطابق ۸۴ء سے قبل آپ کے ۱۵؍ مضامین شائع ہوئے، ۸۶ء میں ۱۷؍ اور ۸۷ء میں ۱۵؍ شائع

ہوئے، ان میں بھی صرف تعلیم کے حوالے سے آپ کے مضامین کی تعداد اس طرح ہے۔

۸۴ء ۴ مضامین

۸۵ء ۳ //

۸۶ء ۱۷ //، جبکہ یہ مضامین اوپر ذکر ہونے والی تعداد کے علاوہ ہیں۔

لیکن بعض اشارے ایسے ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تعداد حتمی نہیں ہے، جہاں تک آپ کے غیر مطبوعہ مضامین کی تعداد کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ صرف اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے صرف ان مضامین کی تعداد جو آپ نے ۹۵ء میں لکھے اور وہ شائع نہیں ہوئے، ۵۳ ہے۔

## تقاریر و لیکچرز

اس کے علاوہ آپ نے بڑی تعداد میں تقاریر کیں، دروس دیے، لیکچرز دیئے، ان کی حتمی تعداد کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے، البتہ اس کے کچھ اشارے ان نوٹس سے ملتے ہیں جو آپ کے کاغذات سے دستیاب ہوئے ہیں، نیز آپ کے کچھ لیکچرز و خطبات بعض حضرات کے پاس کیسٹس کی شکل میں موجود ہیں، مثال کے طور پر پروفیسر نور ورجان نے ابھی اس جانب توجہ دلائی ہے کہ ان کے پاس کچھ تقاریر اور کافی درسِ قرآن موجود ہیں۔(۷۰) ضرورت اس بات کی ہے کہ جن حضرات کے پاس اس قسم کی کیسٹس موجود ہیں وہ آگے آئیں اور اس بارے میں معلومات فراہم کریں، تاکہ ان کی حفاظت اور بعد ازاں اشاعت کے لئے عملی اقدامات کئے جاسکیں۔

## خدماتِ سیرت

پروفیسر سید محمد سلیم رحمہ اللہ کی خدماتِ سیرت کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس پہلو پر ہیں یا زیادہ تر اس پہلو کے گرد گھومتی ہیں جس پر ہمارے ہاں خصوصاً اردو میں اس سے قبل بہت کم لکھا گیا تھا، آپ نے جن شعبوں کو خصوصیت سے منتخب کیا ان میں عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ﷺ کا تصورِ تعلیم اور آپ ﷺ کا طریق تعلیم و تربیت ہے۔ اس کے علاوہ فنونِ لطیفہ اور سیرتِ طیبہ کے تعلق پر بھی آپ نے کافی وقیع کام کیا ہے، ذیل میں آپ کی ان کتابوں اور مضامین کا ذکر کیا جاتا ہے جو سیرتِ طیبہ یا اس سے متعلقہ موضوعات و مباحث پر مشتمل ہیں، یا ان کا کچھ حصہ ان مباحث پر ہے، اس کے بعد ان میں سے چند اہم کتب و مضامین کا جائزہ لیا جائے گا،

۱۔ ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، اس میں دوسرا باب اسلامی نظامِ تعلیم کی خصوصیات، تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے۔ از ص ۲۷ تا ص ۶۲۔(۷۱)

۲۔ عہدِ اسلامی کے عظیم مدارس، اس میں اسلامی تعلیم کے حوالے سے چند مباحث از ص ۵ تا ۱۴ اور پھر مسجدِ نبوی ﷺ کا ذکر ہے، از ص ۱۷ تا ۱۸۔(۷۲)

۳۔ قومیت و وطنیت، اس مختصر کتاب میں تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اسلام کا تصورِ قومیت واضح کیا گیا ہے۔(۷۳)

۴۔ تاریخ نظریۂ پاکستان، اس کا پہلا باب تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے۔(۷۴)

۵۔ اسلام کا نظامِ تعلیم، عہدِ رسالت، عہد خلافتِ راشدہ عہدِ بنی امیہ۔(۷۵)

۶۔ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، پہلی صدی ہجری میں۔(۷۶)

۷۔ اسلامی تعلیم بنیادی تصورات و افکار، پوری کتاب کے مباحث قرآن و حدیث سے مستنبط ہیں۔(۷۷)

۸۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ تعلیمی۔(۷۸)

۹۔ داعیٔ اعظم ﷺ اور کثرتِ ازواج۔(۷۹)

۱۰۔ حدود اللہ کا نفاذ شرفِ انسانیت کا تحفظ ہے، یہ کتاب بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر کی گئی ہے۔(۸۰)

۱۱۔ حجِ بیت اللہ، بصارت و بصیرت۔(۸۱)

۱۲۔ عورت، حیثیت، خاندان، کردار اور تعلیم، پوری کتاب قرآن و سنت کی روشنی میں تحریر کی گئی ہے۔(۸۲)

۱۳۔ اسلامی زندگی۔

۱۴۔ تاریخ خط و خطاطین، اس میں دو باب تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تحریر کئے گئے ہیں۔(۸۳)

۱۵۔ اسلام کا نظریہ تعلیم، یہ بعد میں اسلامی تعلیم بنیادی تصورات وافکار کا حصہ بن گئی۔
۱۶۔ طبقۂ نسواں کا محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم۔
☆ چند ان کتب کا ذکر بھی ذیل میں کیا جاتا ہے جو غیر مطبوعہ ہیں، اور مباحثِ سیرت پر مشتمل ہیں۔
۱۷۔ اسلامی نظامِ تعلیم کی حکمت وغایات۔
۱۸۔ اسلام کا فلسفۂ تعلیم، جہانی نقطۂ نظر، تصورِ کائنات وتصور انسانی۔
۱۹۔ خلیفہ فی الارض،
۲۰۔ خلافتِ تمکین، خلافتِ عبودیت۔
۲۱۔ اسلامی معاشرے میں قیادت وسیادت،

## مضامین

۱۔ کفار سے مشابہت کیوں ممنوع ہے؟ (۸۴)
۲۔ اسلام کا فلسفۂ تعلیم۔ (۸۵)
۳۔ رمضان المبارک، تعلیم وتربیت۔ (۵۶)
۴۔ ناموسِ رسالت ﷺ پر جان کا نذرانہ پیش کرنے والے جاں نثار۔ (۸۷)
۵۔ اسلامی فنونِ لطیفہ، (۸۸)
۶۔ مغربی افکار اور اسلامی افکار میں فرق۔ (۸۹)
۷۔ علم کی اہمیت۔ (۹۰)
۸۔ شادی کی اہمیت اسلام میں۔ (۹۱)
۹۔ ادارۂ خلافتِ راشدہ کی بعض خصوصیات۔ (۹۱)
۱۰۔ سیرتِ طیبہ اور فنون لطیفہ۔ (۹۳)
۱۱۔ مسلمانوں کا ذوقِ کتاب داری۔ (۹۴)

اس کے علاوہ اور بہت سے مضامین آپ کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں ایسے ہیں جو براہ راست سیرتِ طیبہ کے موضوع پر ہیں یا ان کا سیرت طیبہ سے تعلق ہے۔ ان میں سے پانچ مضامین السیرہ کی اسی اشاعت اور اسی گوشۂ خاص میں شامل ہیں۔

اب ہم آپ کی چند اہم کتب و مضامین کے مندرجات کا جائزہ لیتے ہیں۔

## اسلام کا نظامِ تعلیم

آپ کی یہ کتاب بے حد اہمیت کی حامل ہے، اس میں مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کا عہد بہ عہد جائزہ لیا گیا ہے، یہ کتاب نفس مضمون کے اعتبار سے تین حصوں پر مشتمل ہے، عہدِ رسالت، عہد خلافت راشدہ، عہدِ بنی امیہ، اور آخری دونوں عہد بھی، خصوصاً عہدِ خلافتِ راشدہ چونکہ عہد رسالت ہی کا پرتو ہیں اس لئے یہ تقریباً بکمل طور پر مباحثِ سیرتؐ پر مشتمل ہے، پہلے حصے کے اہم مندرجات یہ ہیں، عرب قبل از اسلام، مکی دور دارِ ارقم ابن ابی ارقمؓ، لازمی تعلیم، مدنی دور، علم کی فضیلت و اہمیت، مسجد کی اہمیت، مدرسہ صفہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ تدریس، تعلیمی تحریک، مسجد (مدرسہ) کی فضیلت، علم کی فضیلت، طریقۂ فہمائش، مقاصدِ تعلیم و نصاب، دینی علوم، فقہ کی تعلیم، دعوت، طریقِ تدریس و تربیت، دنیاوی علوم، ناپسندیدہ علوم، صنعت و حرفت، جسمانی تربیت، اخلاقی تربیت، خواتین کی تعلیم، بچوں کی تعلیم، صفائی کی تعلیم، آداب کی تعلیم، اشاعتِ تعلیم و تدریس، تعلیمی تحریک کی کامیابی، ان مباحث سے ہی کتاب کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے، آپ وجہ تحریر اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

> "بلاشبہ ایک نظامِ تعلیم اول روز سے چلا آ رہا ہے، ایک دن کا بھی انقطاع واقع نہیں ہوا، مگر نصوصِ تعلیم بہ طرزِ نصوص احکام مرتب نہ ہو سکے، آج جب ہم اغیار کے ذہنی اور فکری تسلط میں زندگی گزار رہے ہیں، ہم فکری انتشار میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ہمیں حق و باطل کی تمیز نہیں رہی، ہم نے اغیار کا نظامِ تعلیم قبول کر لیا ہے، ہم نے اپنی تعلیمی روایات سے بے گانگی اختیار کر لی ہے، اور ہمیں اس میں نہ شرم ہے اور نہ غیرت، تو آج نصوص اور احکام متعلق تعلیم مرتب کرنے کی ضرورت ہے"۔(۹۵)

## اسلامی تعلیم، بنیادی تصورات و افکار

یہ دراصل مجموعۂ مقالات ہے، اور بعض مضامین، قرآنِ کریم کی روشنی میں تحریر کئے گئے ہیں، لیکن کئی ایک مضامین سیرتِ طیبہ اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں بھی تحریر کئے گئے ہیں،

مثال کے طور پر، ا۔ تعلیم برائے عظمتِ الٰہی، ۲۔ اسلام کا تصورِ تعلیم، ۳۔ اسلام کا نظریۂ تعلیم، ۴۔ اسلامی نظامِ تعلیم کا مقصد، ۵۔ اسلام کے تعلیمی انقلاب کا پیغام، ۶۔ اسلام کا طریق تربیت، ان میں آخری مقالہ کافی اہمیت رکھتا ہے، اس مقالے پر آپ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق تربیت کو ان عنوانات کے تحت بیان کیا ہے۔ ا۔ تعلیم، ۲۔ وعظ و ارشاد، ۳۔ طریقۂ محبت، ۴۔ طریقۂ فضیلت، ۵۔ طریقۂ حکمت، ۶۔ درس و تدریس، ۷۔ احسان و تصوف۔ (۹۶)

## حجِ بیت اللہ، بصارت و بصیرت

آپ کو ۸۵ء میں حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ (۹۷)، اس سفر کے مشاہدات، تاثرات اور واردات کو آپ نے اس مختصر کتاب (۹۸) میں قلمبند کیا ہے، اس کے بعض اہم مضامین و عنوانات یہ ہیں۔ ا۔ اسلام کے امتیازات، ۲۔ حج کی فرضیت و فضیلت، ۳۔ سفرِ حج کی تیاری و روانگی، ۴۔ مکہ مکرمہ میں داخلہ و عمرہ، ۵۔ مناسکِ حج، ۶۔ مراسمِ حج اور حضرت ابراہیمؑ، ۷۔ اعمالِ حج کی حکمتیں، ۸۔ احرام کی حکمتوں پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> توحیدِ خالق سے وحدتِ مخلوق کا نظریہ پیدا ہوتا ہے، وحدتِ مخلوق سے مساواتِ انسانی کا نظریہ پیدا ہوتا ہے، دنیا میں شیطان نے وحدتِ مخلوق اور مساواتِ انسانی کے نظریئے کو تفریق انسانی کے نظریئے کے ذریعے زک دی ہے، اس نے انسانی معاشرے میں تفریق ملک، وطن، تفریق رنگ، نسل، لسان، تفریق طبقات ودرجات، تفریق حاکم ومحکوم وغیرہ پیدا کر دی۔ (۹۹)

مزید لکھتے ہیں،

> نظریۂ تفریق کا سب سے اہم مظہر لباس کی بوقلمونی ہے، رنگ برنگ لباس کے پردوں میں شیطان نے انسان کو گمراہ اور بدراہ کر دیا، اسلام نے حج کے موقع پر ترک لباس کے ذریعے، احرام کے ذریعے انسان کی انسانیت کو اور وحدت کو پھر جلوہ گر کر دیا۔ (۱۰۰)

## عورت، حیثیت، خاندانی کردار اور تعلیم

یہ پوری کتاب قرآن وسنت کی روشنی میں تحریر کی گئی ہے، اس کے اہم مندرجات یہ ہیں، ا۔ انسان کی حیثیت، ۲۔ انسان کی آزمائش کے طریقے، ۳۔ عورتوں کے لئے پردے کی اہمیت،

۴۔ تشکیل خاندان، ۵۔ شادی کی اہمیت، ۶۔ عورت اور مرد کے باہمی تعلقات، ۷۔ عورت کا کردار، ۸۔ عورتوں کے حقوق، ۹۔ عورت کی فطری خصوصیات، ، ۱۰۔ عورت اور مرد جداگانہ صنفیں، ۱۱۔ مرد کی ذمے داری، ۱۲۔ عورت کی ذمے داری، ۱۳۔ خواتین کی تعلیم، ۱۴۔ خواتین کا نصابِ تعلیم۔

## داعیٔ اعظم ﷺ اور کثرتِ ازواج

یہ مختصر کتابچہ ۲۶ر صفحات پر مشتمل ہے، اس میں ان اہم عنوانات پر بحث کی گئی ہے، ا۔ کیا ازدواجی تعلقات گناہ ہیں؟ ۲۔ عیش کوشی کے الزام کی حقیقت، ۳۔ ازواجِ مطہرات کے کوائف، ۴۔ کثیر بیویوں کی مصلحت، ۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی، حسنِ معاشرت کا نمونہ، اس کتاب کے پیشِ لفظ میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

> انسانی تاریخ میں اگر کوئی ہستی پس ماندہ طبقوں خصوصاً طبقۂ نسواں کا محسنِ اعظم کہلائے جانے کا مستحق ہے تو درحقیقت وہ نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے، دنیا میں سب سے پہلے عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق آپ نے ہی عطا کئے ہیں، آج جہاں کہیں بھی عورتوں کو حقوق مل رہے ہیں یا ان کے حقوق کی باتیں چل رہی ہیں، وہ سب نبیٔ عربی ﷺ کے نعرہ حق کی صدائے بازگشت ہے۔(۱۰۱)

## رسولِ اکرم ﷺ کا اسوۂ تعلیمی

یہ بھی مختصر سا کتابچہ ہے اور چھوٹے سائز کے ۳۲ر صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتابچہ درحقیقت دو حصوں، ا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ تعلیمی کا نظری حصہ، ۲۔ عملی حصہ پر مشتمل ہے، مگر مسلسل مضمون کی صورت میں ہے، آخرِ کتاب میں تحریر کرتے ہیں:

> جو شخص بھی آپ ﷺ کے کارناموں پر نظر ڈالے گا وہ تسلیم کرے گا کہ آپ نے معلمی کا حق ادا کر دیا۔ ۲۳ سال کی قلیل سی مدت میں ایک جاہل و ناخواندہ ملک میں خواندگی اور تعلیم کا انقلابِ عظیم برپا کر دیا، جس ملک میں پہلے خواندہ افراد کی تعداد ۱۸ر سے زیادہ نہ تھی، وہاں خواندگی کا معیار ۸۰، ۷۰ فیصد تک پہنچا دیا۔(۱۰۲)

## تاریخ نظریۂ پاکستان

یہ کتاب بنیادی طور پر تو تحریکِ پاکستان کے مختلف مراحل کا احاطہ کرتی ہے، البتہ اس کا پہلا باب متعلقاتِ سیرت پر ہے، اس کے اہم عنوانات یہ ہیں، ا۔اسلام کا نظامِ زندگی اور بعد کے تغیرات، ۲۔ تدوینِ علوم اسلامی، ۳۔اسلامی نظام کے مختلف شعبوں پر عمل، وغیرہ، ''خود مختار آزاد معاشرہ'' کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں!

> ۱۳ سال مکہ مکرمہ میں محکومی اور مقہوری کی زندگی گزارنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے سازگار ماحول میں پہنچے تو اپ ﷺ نے وہاں اسلامی ریاست قائم کر دی، اسلامی سنہ کا آغاز ہجرت سے ہوتا ہے، ہجرت اسلامی ریاست کے قیام کے مترادف ہے، اس سے اسلام میں ریاست اور حکومت کی اہمیت واضح ہوتی ہے، اور آپ ﷺ خود اس ریاست کے سربراہ بنے، وہاں آپ ﷺ نے پوری طرح اسلامی احکام نافذ فرمائے، وہاں آپ ﷺ نے صحیح اسلامی معاشرہ قائم فرمادیا۔(۱۰۳)

## سیرتِ طیبہ اور فنونِ لطیفہ

یہ اہم مضمون جو اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد بھی ہے، السیرہ(۱۰۴) میں شائع ہوا تھا، اس میں فنون لطیفہ کے سلسلے میں اسلام کا موقف اور اس میدان میں اسلامی سرگرمیوں کا منبع او اس کے امتیازات بیان کئے گئے ہیں، فرماتے ہیں۔

> اللہ تعالیٰ فطرتِ انسان کا خالق ہے، انسانی فطرت اور مزاج کا شناسا ہے، اس کو انسان کی کمزوری کا علم ہے، اس کی طبیعت اور جبلت کا تقاضا حسی وابستگی ہے، جس سے انسان اپنا قلبی تعلق جوڑے، اس کمزوری کا خیال رکھتے ہوئے اس نے حسی دنیا میں دل بستگی کے لئے تین مظاہرات کو اپنی ذات سے نسبت قائم کرنے کی اجازت دی ہے، ا۔رسول اللہ ﷺ، ۲۔کلام اللہ، ۳۔ بیت اللہ۔(۱۰۵)

آگے چل کر ''کلام اللہ'' پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں!

> کلام اللہ کو حفظ کرنا بھی خاص مسلمانوں کا امتیازی وصف ہے، دنیا کی کوئی قوم اپنی کتاب کی حافظ نہیں ہے، کلام کے لکھنے سے ایک اور فن وجود میں آیا، جس کو

حسنِ خط یا خطاطی کہتے ہیں، عربی خط کو انہوں نے کئی کئی طریقوں سے لکھا، خط نسخ، خط ثلث، رقاع، توقیع، نستعلیق، پھر قرآن مجید کی تزئین و آرائیش پر غیر معمولی محنت کی، یہ فن کے نادر نمونے دنیا کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں، تزئین اور تحسینِ خط کے معاملے میں کوئی قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔(۱۰۶)

اوپر تحریر کی گئی سطور سے آپ ﷺ کی خدمات خصوصاً سیرت کا کسی حد تک اندازہ ہوتا ہے، البتہ اس تحریر کو جامع اس بنا پر نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کے بہت سے مضامین اور کتب منتظر طباعت ہیں، کتنے ہی مضامین مختلف رسائل کی فائلوں میں موجود ہیں، اور وقت تحریر محرر کے سامنے نہیں، یقیناً ان سب کے سامنے آنے سے پروفیسر سید محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ کی گراں قدر خدمات کا صحیح اندزہ ہو سکے گا، ذیل میں اب تک معلوم ہونے والی کتب کی فہرست الفبائی ترتیب کے اعتبار سے پیش کی جارہی ہے۔

## فہرست کتب

| | نام | صفحات | اشاعت |
|---|---|---|---|
| ا۔ | آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم | ۶۲ | طبع اول ۸۳ء، دوم ۸۵ء، ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور۔ |
| ۲۔ | ابتدائی تعلیم کا نصاب | ـ | ـ |
| ۳۔ | اردو کتابت کے چند کار آمد اصول | ۲۲ | طبع اول ۸۶ء، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، |
| ۴۔ | اسلام کا نظامِ تعلیم (تین عہد) | ۱۷۴ | طبع اول ۸۳ء، سوم ۸۶ء، چہارم ۹۴ء، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور |
| ۵۔ | اسلام کا نظریۂ تعلیم | ۵۶ | طبع اول ۸۷ء، البدر پبلی کیشنز لاہور |
| | یہ بعد میں ”اسلامی تعلیم بنیادی تصورات و افکار“ کا حصہ بن گئی۔ | | |
| ۶۔ | اسلامی تعلیم، بنیادی تصورات و افکار | ۱۶۰ | اشاعت اول ۸۹ء، ادارہ تعلیمی تحقیق |
| ۷۔ | اسلامی زندگی | ۷۲ | طبع اول، ۸۹ء، دوم ۹۱ء، تحقیق |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۸۔ | اسلامی نظامِ تعلیم کی اساس | ۱۶ | طبع اول ۹۱ء، ادارہ تعلیمی تحقیق |
| ۹۔ | اصولِ کتابت | ۔ | ۔ |
| ۱۰۔ | تاریخ خط و خطاطین | زیرِ طبع | زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی |
| ۱۱۔ | تاریخ قرآن مجید، | ۴۰ | اشاعت اول، ۹۸ء، دعوہ اکیڈمی اسلام آباد |
| ۱۲۔ | تاریخ نظریہ پاکستان | ۳۰۰ | اول ۸۵ء، دوم ۸۷ء، سوم ۹۶ء، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، |
| ۱۳۔ | ترکستان اور ترک اقوام | ۴۸ | اول ۹۲ء، بعد میں بھی شائع ہوئی، فاران نشریات، لاہور، |
| ۱۴۔ | ترک و تاتاری اقوام | ۔ | انسٹی ٹیوٹ آف ریجنل اسٹیڈیز پشاور |
| ۱۵۔ | تعلیمی انحطاط کے اسباب | ۶۴ | اول ۸۶ء، دوم ۸۹ء، ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور، |
| ۱۶۔ | جماعتِ اسلامی تعلیم کے میدان میں | ۳۶ | اول ۹۵ء، اسلامی نظامت تعلیم، لاہور، |
| ۱۷۔ | چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت | ۶۴ | اول ۸۹ء، دوم ۹۱ء، |
| ۱۸۔ | حجِ بیت اللہ، بصارت و بصیرت | ۷۴ | اول ۹۷ء، شہ تاج مطبوعات، لاہور |
| ۱۹۔ | حدود اللہ کا نفاذ شرفِ انسانیت کا تحفظ ہے | ۳۲ | اول ۸۷ء، دوم ۸۹ء، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور |
| ۲۰۔ | خاندانی یادگاریں | ۱۶ | اول ۹۶ء |
| ۲۱۔ | خوش نویسی کی تعلیم | ۔ | ۔ |
| ۲۲۔ | داعیٔ اعظم ﷺ اور کثرت ازواج | ۳۰ | اول ۹۵، شہ تاج مطبوعات لاہور، |
| ۲۳۔ | درس گاہ کی ہم نصابی سرگرمیاں، | ۳۰ | اول ۹۱ء، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور |
| ۲۴۔ | دینی مدارس کی روایات اور نصاب کی خصوصیات | | ۔ |
| ۲۵۔ | دینی مدارس کے لئے نصاب کی تجاویز | ۵۶ | اول ۹۳ء، // // // |
| ۲۶۔ | رسالۂ دانشمندی (مقدمہ تعلیمات) | ۳۰ | اول ۸۷ء، دوم ۸۹ء، // // |
| ۲۷۔ | رسول اکرم ﷺ کا اسوۂ تعلیمی | ۳۲ | اول ۸۱ء، حجاز پبلی کیشنز، لاہور |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۲۸ | زبان اردو، منزل یاراستہ | ـ | ـ |
| ۲۹ـ | سورۂ فاتحہ، نظامِ تعلیم کی اساس، | ۲۴ | اول، ۸۷ء، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور |
| ۳۰ـ | سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ | ۸۰ | اول ۹۲ء، فاران نشریات، لاہور |
| ۳۱ـ | طبقۂ نسواں کا محسنِ اعظم ﷺ | ـ | ـ |
| ۳۲ـ | عصرِ حاضر کا چیلنج اور مسلمان استاد | ۲۴ | //، // // |
| ۳۳ـ | علومِ جدید کی اسلامی تشکیل (ترجمہ) | ۱۰۰ | اول ۸۹ء، ادارہ تعلیمی تحقیق، // |
| ۳۴ـ | عورت، حیثیت، خاندان، کردار اور تعلیم | ۱۴۴ | اول ۹۴ء، // // |
| ۳۵ـ | عہدِ اسلامی کے عظیم مدارس | ۶۲ | اول ۹۷ء // // |
| ۳۶ـ | قرآن کا تصورِ تعلیم | ۵۲ | اول ۷۹ء، // // |
| ۳۷ـ | قومیت و وطنیت | ۶۴ | اول ۸۸ء // // |
| ۳۸ـ | مسلمان اساتذہ کا مثالی کردار | ۴۶ | اول ۸۱ء // // |
| ۳۹ـ | مسلمان اور مغربی تعلیم | ۳۶۸ | اول ۸۵ء // // |
| ۴۰ـ | مسلمان خواتین کی دینی و علمی خدمات | ۱۶۰ | اول ۸۶ء، دوم ۸۹ء // // |
| ۴۱ـ | مسلمان مثالی اساتذہ و مثالی طلبہ | ۱۷۲ | ۸۶ء // |
| ۴۲ـ | مشنری تعلیمی اداروں کا تنقیدی مطالعہ | ـ | ۸۶ء // |
| | یہ بعد میں مغربی تعلیم کی مخالفت کیوں؟ کے نام سے شائع ہوئی | | |
| ۴۳ـ | مغربی تعلیم کی مخالفت کیوں؟ | ۴۴ | ۹۱ء // |
| ۴۴ـ | مغربی زبانوں کے ماہر علما | ۱۵۲ | اول ۹۳ء // |
| ۴۵ـ | مغربی فلسفۂ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ | ۲۴۰ | اول ۸۱، دوم ۸۶ء // |
| ۴۶ـ | مغربی نظامِ تعلیم، ملی نقطۂ نظر سے | ۴۸ | اول ۷۶ء، تنظیم اساتذہ پاکستان |
| | یہ بعد میں ”مغربی نظامِ تعلیم، تنقید و تبصرہ“ کا حصہ بن کر شائع ہوئی۔ | | |
| ۴۷ـ | مغربی نظامِ تعلیم، تنقید و تبصرہ | ۱۰۴ | دوم ۸۹، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور |
| ۴۸ـ | ہندوپاک میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت | ۳۱۲ | اول ۸۰ء، دوم ۸۶ء، سوم ۹۳ء، // |

اب ان کتب کا ذکر کیا جاتا ہے جو غیر مطبوعہ موجود ہیں۔

۱ـ اسلامی نظامِ تعلیم کی حکمت و غایات

۲۔ اسلام کا فلسفۂ تعلیم، جہانی نقطۂ نظر

۳۔ اسلامی معاشرے میں قیادت وسیادت

۴۔ خلافت تمکین، خلافتِ عبودیت

۵۔ خطباتِ کالج

۶۔ چار عالمی اسلامی تعلیمی کانفرنسوں کی سفارشات (ترجمہ)

۷۔ خلیفہ فی الارض

۸۔ تاریخ شکارپور، سندھ

۹۔ خوش نویسی کی تعلیم، تین ہے

۱۰۔ اسلامی اوزان اور پیمانے

۱۱۔ دین اسلام اور ملتِ اسلامیہ

۱۲۔ عظیم اسلامی مدارس کی تاریخ، (افریقی ممالک) ترجمہ

۱۳۔ // // (مشرقی ممالک) //

۱۴۔ عظیم مدارس و جامعات، امام ابو حنیفہؒ سے دیوبند تک

۱۵۔ مسلمان استادوں نے بحرانوں کے رخ موڑ دیئے

۱۶۔ منصبِ شہادت کے فرائض

۱۷۔ مسلمان خواتین کے لئے اعلیٰ تعلیمی اداروں کا مطالبہ (ترجمہ)

۱۸۔ مسلمانوں کا نظامِ تربیت اور پاکستان

۱۹۔ کیا مسلمان سلاطین حاکمِ مطلق تھے؟

۲۰۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے حالات، دورِ جدید

۲۱۔ دنیائے اسلام اور اسلام

۲۲۔ مشرقی ترکستان (ترجمہ)

۲۳۔ مکتب کا نصابِ تعلیم

۲۴۔ قواعدِ کتابت

۲۵۔ نوابانِ مرشد آباد و بنگال (ترجمہ)

یہ چند صفحات پروفیسر سید محمد سلیم رحمہ اللہ کے حالات وخدمات کے حوالے سے سپردِ قلم

ہوئے، ان کے مطالعے سے ایک بات بڑی روشن ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاضر کرم فرمائی اور توفیق سے آپ نے جن میدانوں میں خدمات انجام دیں، ان کے نقوش تا ابد واضح و روشن رہیں گے، اور آنے والے اہلِ علم و محققین آپ کی خوشہ چینی کو اپنے لئے باعثِ سعادت تصور کریں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ بلند عطا فرمائے اور ہم سب کے علم و عمل میں اخلاص و برکت عطا فرمائے۔ آمین،

**وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین**

## حواشی و حوالہ جات

۱۔ حکیم سید عبدالرؤف / حالاتِ زندگی الحاج حکیم سید عبدالوحید چشتی قادری / غیر مطبوعہ،

۲۔ ایضاً،

۳۔ حکیم قاضی سید اشرف علی کا انتقال ۲۹ / رمضان ۱۲۷۹ھ کو ہوا۔

۴۔ حکیم عبدالعزیز کا انتقال ۲۹ / ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو ہوا۔

۵۔ تاریخ وفات مہاراجہ الور، ۱۹۰۰ء

۶۔ حکیم سید عبدالرؤف / محولہ بالا

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

☆ خود نوشت حالات پروفیسر سید محمد سلیمؒ

☆ پروفیسر عبدالحسیب احسن / مشمولہ ماہنامہ آفکارِ معلم، لاہور / مدیر ظفر حجازی / جنوری ۲۰۰۱ء / ص ۵۶

۹۔ حکیم عبدالرؤف / محولہ بالا

☆ روزنامہ آئینہ، نواب شاہ، ۲۸، جنوری ۶۸ء

۱۰۔ پروفیسر سید محمد سلیم / اسکول کے زمانے کی یادیں،

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ پروفیسر عبدالحسیب احسن / افکارِ معلم / جنوری ۲۰۰۱ء / ص ۵۶

۱۳۔ اسکول کے زمانے کی یادیں / ایضاً

۱۴۔ پروفیسر عبدالحبیب احسن / محولہ بالا

۱۵۔ ایضاً / ص ۵۷

۱۶۔ پروفیسر سید محمد سلیم، اساتذہ کرام اور دیگر اہل علم / افکارِ معلم، فروری ۲۰۰۱ء، ص ۷۷،

۱۷۔ ایضاً / ص ۷۸

۱۸۔ ایضاً

☆ افکار معلم / فروری ۲۰۰۱ء / ص ۷۴

۱۹۔ پروفیسر سید محمد سلیم، ہمارے زمانے کے اساتذہ / غیر مطبوعہ،

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ پروفیسر عبدالحبیب احسن / ص ۶۱،

۲۲۔ ایضاً / ص ۶۲

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ڈاکٹر رانا خلیل / پروفیسر سید محمد سلیمؒ کی علمی خدمات / غیر مطبوعہ

۲۵۔ بخاری الصحیح / باب اول، ص ۱

۲۶۔ پروفیسر سید محمد سلیمؒ / مغربی فلسفۂ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ / ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان، لاہور، ۱۹۸۱ء / ص ۸، یہ کتاب ۸۰ء میں تحریر ہوئی۔

۲۷۔ ؍؍ / اسلامی تعلیم بنیادی تصورات و افکار / ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱۹۸۹ء / ص ۶،

۲۸۔ سید عزیز الرحمٰن / ماہنامہ تعمیر افکار کراچی / مدیر ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری / جنوری ۲۰۰۱ء / ص ۲۹۔۳۰،

۲۹۔ ایضاً / ص ۳۰،

۳۰۔ افکارِ معلم / جنوری ۲۰۰۱ء / ص ۲۳،

۳۱۔ سید عزیز الرحمٰن / تعمیر افکار / ص ۳۰،

۳۲۔ ایضاً، ص ۳۱،

**۳۲/الف۔ماہر تعلیم پروفیسر سید محمد سلیم / پروفیسر ڈاکٹر احسان الحق / مشمولہ اردو بک ریویو، نئی دہلی / مدیر مسئول، عارف اقبال / شمارہ نومبر دسمبر ۲۰۰ء**

۳۳۔ ایضاً
۳۴۔ ملک نواز احمد اعوان / وہ ایک حرف تھا لیکن کتاب جیسا تھا / افکارِ معلم / فروری ۲۰۰۱ء / ص ۳۷۔۳۸،
۳۵۔ پروفیسر سید محمد سلیم رحمہ اللہ راقم کے نانا تھے۔
۳۶۔ تحریر ۲۱ مارچ ۱۹۹۶ء
۳۷۔ تحریر ۶ اکتوبر ۱۹۹۶ء
۳۸۔ تحریر ۲۱ مارچ ۹۶ء
۳۹۔ تحریر ۱۰ جون ۹۴ء
۴۰۔ تعمیر افکار / ص ۳۲ تا ۳۴،
۴۱۔ محمد موسیٰ بھٹو / گلدستہ / سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، حیدر آباد ۹۸ء / ص ۱۱۲، ۱۱۳،
۴۲۔ افکارِ معلم / فروری ۲۰۰۱ء / ص ۳۶،
۴۳۔ پروفیسر سید محمد سلیم / خود نوشت حالات / غیر مطبوعہ،
۴۴۔ افکارِ معلم / جنوری ۲۰۰۱ء / ص ۶۲، ۶۴،
۴۵۔ افکارِ معلم / فروری ۲۰۰۱ء / ص ۴۹،
۴۶۔ اردو بک ریویو / ص ۶۰
۴۷۔ افکار معلم / جنوری ۲۰۰۱ء / ص ۴۷،
۴۸۔ ایضاً / ایضاً / ص ۵۵،
۴۹۔ ایضاً
۵۰۔ محمد موسیٰ بھٹو / گلدستہ / ص ۱۰۸، یہ مضمون آپ کی زندگی میں تحریر کیا گیا تھا۔
۵۱۔ افکارِ معلم / جنوری ۲۰۰۱ء / ص ۵۷
۵۲۔ القرآن / سورۂ فاطر / آیت ۲۸
۵۳۔ پروفیسر سید محمد سلیم / اسلامی تعلیم، بنیادی تصورات و افکار / ص ۷۷،
۵۴۔ پروفیسر سید محمد سلیم / عہد اسلامی کے عظیم مدارس (جامعات) / ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۹۷ء / ص ۷،
۵۵۔ ایضاً / ص ۵،

۵۶۔ پروفیسر سید محمد سلیم / مغربی فلسفۂ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ / ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، / ص ۸۱ء / ص ۹۸، ۹۹،

۵۷۔ ایضاً / ص ۸۳

۵۸۔ ایضاً / ص ۸۴

۵۹۔ پروفیسر سید محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۹۶ء / ص ۱۳۶،

۶۰۔ ایضاً / ص ۱۳۷

۶۱۔ ایضاً / ص ۱۵۰۷،

۶۲۔ اسلامی تعلیم بنیادی تصورات وافکار / ص ۲۵،

۶۳۔ ایضاً / ص ۴۰،

۶۴۔ مغربی فلسفۂ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ / ص ۱۷۵

۶۵۔ افکارِ معلم / جنوری ۲۰۰۱ء / ص ۵۸، ۵۹،

۶۶۔ خودنوشت حالات

۶۷۔ افکارِ معلم جنوری ۲۰۰۱ء / ص ۵۹، ۶۰،

۶۸۔ // فروری ۲۰۰۱ء / ص ۹

۶۹۔ اس کی مکمل فہرست (۹۶ء تک) موجود ہے، مرتب ڈاکٹر رانا محمد خلیل

۷۰۔ افکار معلم / فروری ۲۰۰۱ء / ص ۶۲، ۶۳،

۷۱۔ ناشر: ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۰ء، دوم ۸۶ء، سوم ۹۳ء،

۷۲۔ // // // // ۹۷ء

۷۳۔ // // // // ۸۸ء

۷۴۔ // // // // ۸۵ء، دوم ۸۷ء، سوم ۹۶ء

۷۵۔ // // // // ۸۳ء، سوم ۸۶ء، چہارم ۹۳ء

۷۶۔ // // // // ۸۳ء

۷۷۔ // // // // ۸۹ء

۷۸۔ حجاز پبلی کیشنز // // ۸۱ء

۷۹۔ شہ تاج مطبوعات // // ۹۵ء

۸۰۔ ادارہ تعلیمی تحقیق // // ۸۷ء، دوم ۸۹ء

۸۱۔ شہ تاج مطبوعات // // ۹۷ء

۸۲۔ ادارہ تعلیمی تحقیق // // ۹۴ء

۸۳۔ زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی زیر طبع

۸۴۔ افکارِ معلم، لاہور، دسمبر ۹۲ء

۸۵۔ // // اگست ۹۴ء

۸۶۔ // // فروری ۹۵ء

۸۷۔ // // اگست ۹۶ء

۸۸۔ // // ستمبر //

۸۹ء تا ۹۲ء غیر مطبوعہ

۹۳۔ شش ماہی السیرہ عالمی / شمارہ ۲

۹۴۔ ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور اپریل ۲۰۰۰ء

۹۵۔ اسلام کا نظامِ تعلیم، / ۱۳

۹۶۔ ص ۱۴۸ تا ۱۶۰

۹۷۔ پروفیسر سید محمد سلیم / حج بیت اللہ، بصارت و بصیرت / ص ۲

۹۸۔ یہ کتاب ۷۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

۹۹۔ ص ۴۰،

۱۰۰۔ ایضاً، ص ۴۱

۱۰۱۔ ص ۳

۱۰۲۔ ص ۳۱

۱۰۳۔ ص ۳۲

۱۰۴۔ شمارہ ۲، رمضان المبارک ۲۰۰ء

۱۰۵۔ السیرہ شمارہ ۲، / ص ۲۰۱

۱۰۶۔ ایضاً / ص ۲۰۳